رنگ، حروف، روشنی.....اقرا صغیر احمد

متورم آنکھیں، اداس چہرے، لڑکھڑاتے قدموں سے اسے اس بے حد چمکدار ٹائلز فرش پر چلنا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

دکھوں کا ایک صحرا عبور کر کے وہ یہاں تک آئی تھی اور نہ معلوم صحرا ابھی عبور ہوا تھا یا آغاز ہی تھا۔ جھر جھر آنسوؤں کی روانی کسی جھرنے کی مانند اس کی خلائی آنکھوں سے گرنے لگی تھی۔

''ارے..... یہ کیا؟ آپ پھر رونے لگیں بیٹا!''

مکرم صاحب نے اس کی جانب دیکھا تو شفقت سے گویا ہوئے۔ ''آپ کسی غیر کے نہیں اپنے گھر میں آئی ہیں' مقصود مجھے سگے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز تھا' بے حد محبت تھی ہم میں' گردش معاش میں الجھ کر کچھ وقتی فاصلے درمیان میں حائل ہو گئے تھے ورنہ دل تو کبھی ہمارے جدا نہیں ہوئے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے افسردگی سے کہہ رہے تھے۔ ''میں ہر ممکن کوشش کروں گا بیٹا' آپ کو باپ کی کمی محسوس نہ ہو۔'' کوریڈور اور کامن روم سے گزر کر وہ لاؤنج میں پہنچے تھے جہاں ایک عمر رسیدہ خاتون نے بڑی اپنائیت سے اس کے نازک سے وجود کو شفقت بھری آغوش میں سمیٹا تھا نہ معلوم کیسا انوکھا و تحفظ بھرا لمس تھا کہ وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی آصفہ بیگم کے چہرے پر بیزاری و جھنجھلاہٹ کے تاثرات پھیلتے جا رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں تحقیرانہ رنگ پھیل رہے تھے وہ ساس کے سینے سے لگی لڑکی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کاٹن کا براؤن کلر کا بوسیدہ سوٹ' کمر پر الجھے بالوں کی موٹی چوٹی..... سیاہ بدرنگ چادر اوڑھے وہ اجڈ لگ رہی تھی۔ رنگت سفید تھی جس میں زردیاں گھلی تھیں۔ جسم بے حد لاغر و کمزور تھا چہرے پر ستواں ناک اور سیاہ موٹی موٹی آنکھیں نمایاں تھیں جن کی دراز پلکوں سے آنسو گرتے ایسے ہی لگ رہے تھے گویا سیاہ ریشم پر موتی دمک رہے ہوں۔

''ہونہہ' ہماری ساس صاحبہ کو ایکٹنگ بہت اچھی آتی ہے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھیں۔ ''اماں! میں دیکھتی ہوں ثریا نے روم کی ڈسٹنگ اچھی طرح کی ہے یا نہیں۔'' آصفہ ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

''اللہ تمہیں صبر دے بیٹی! مقصود اور مکرم میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی تھی' وہ بھی بڑا نیک وسعادت مند تھا پر وائے..... نصیب!'' انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے سرد آہ بھری۔ ''چلو تم نہالو' تھکن اتر جائے گی' چائے بھی تیار ہو رہی ہے۔''

❁❁❁

''یہ کس کو لے کر آئے ہیں آپ؟'' آصفہ بیگم بیڈروم میں آ کر مکرم صاحب سے ترش روئی سے گویا تھیں۔

''بتایا تو تھا آپ کو وہ زمزم ہے مقصود مرحوم کی بیٹی' مقصود کی ڈیتھ کے بعد اس کی والدہ اسے ساتھ رکھنے کو تیار نہ تھی۔''

''اور آپ اسے یہاں لے آئے؟''

''ہوں' یہ دراصل ماں کا حکم تھا پھر.....''

''ماں کا حکم تھا' میں ہرگز ایسی لڑکی کو اپنے یہاں نہیں رکھوں گی' جس کی ماں ہی اسے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں۔''

''وہ زمزم کی ریئل نہیں اسٹیپ مدر ہے۔''

''ہاں تو اس کی ریئل مدر کونسی نیک و پارسا عورت تھی جو.....''

''خاموش رہو۔'' مکرم کے لہجے میں سختی تھی۔

''میری زبان بند کر سکتے ہیں آپ! لیکن کل جب لوگوں کو علوم ہوگا تو کسی ایک کی زبان بند نہ کر پائیں گے تب پھر؟''

''پلیز..... پلیز آصفہ' سوچو جب ہم کسی کو کچھ بتائیں گے ہی نہیں تو لوگوں کو کیونکر علوم ہوگا؟''

Aanchal.com.pk

''ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتی ہیں' از خود ہی عیاں ہو جاتی ہیں۔''

''جی ہاں.....ضرور۔'' وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئے۔ 'الہام ہو جاتے ہیں لوگوں کو ایسی باتوں کے!''

''ہاں ہاں میری آپ اب کہاں سننے لگے' ماں کا حکم جو مل چکا ہے۔'' شوہر کو اپنے موقف پر ڈٹے دیکھ کر وہ چڑ گئی تھیں۔

''میری ماں کے خلاف کچھ بھی کہنے سے قبل یہ یاد رکھا کرو تم بھی ایک جوان بیٹے کی ماں ہو اور بہت جلد اس منصب پر فائز ہو گی' جس پر میری ماں ہیں۔''

''میں ایسی ساس نہیں بنوں گی۔''

''یہ وقت بتائے گا' مجھے تمہاری طرف سے کوئی شکایت نہیں ملنی چاہئے' اس بچی کا بھی خیال رکھنا' ویسے بھی اس گھر میں بیٹی کی کمی تھی جو پوری ہو گئی ہے۔''

❀❀❀

جون کا حبس بھرا دن گزر گیا تھا۔ کھڑکی کے شیشے سے آسمان کے ماتھے پر سجا چاند بھی گویا اپنی ٹھنڈک بھری چاندنی پھیلانے میں ناکام نظر آ رہا تھا کہ سورج کی غیر موجودگی میں بھی گرمی کا احساس تھا۔ وہ کچھ دیر قبل ہی کھانے کے بعد کمرے میں آئی تھی اور اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں میں سوچیں مزید گہری ہوئی تھیں۔ حمیدہ بیگم کی جیسی نفرت و بیزاری اس نے آصفہ بیگم کی آنکھوں اور انداز میں ان چند گھنٹوں میں بخوبی محسوس کر لی تھی جو یہاں آ کے گزرے تھے۔ ان کے نفرت و ناگواریت سے بھرپور انداز نے اس کی خودداری اور عزت نفس کو زک پہنچائی تھی' وہ جو پہلے ہی سوچ چکی تھی زیادہ عرصہ ان لوگوں پر بار نہیں بنے گی' اب تہیہ کر چکی تھی جلد ہی کوئی جاب تلاش کر کے کسی لیڈیز ہاسٹل میں شفٹ ہو جائے گی۔ بلاشبہ ان چند گھنٹوں میں آصفہ بیگم کے ترش رویے کے ساتھ ساتھ اس کو ماں جی اور مکرم انکل کی بے لوث و پر شفقت محبتوں سے بھی واسطہ پڑا تھا۔ اس کی پیاسی روح سیراب ہونے لگی تھی مگر نفرت و تحقیر کی ایک نگاہ ہی وجود کے علاوہ روح کو بھی گھائل کر ڈالتی ہے۔

❀❀❀

''بہو تمہاری شان میں کونسی کمی آ جاتی اگر اس یتیم بچی کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ دیتی تو؟ تمہارا رویا اچھا نہیں ہے۔'' آصفہ شاپنگ سے لوٹی تھیں ماں جی نے موقع دیکھ کر جتایا۔

''ماں جی! صاف بات یہ ہے مجھے اس کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے۔''

''ہوں..... تمہیں تو میرا بھی یہاں رہنا پسند نہیں ہے۔''

''یہ صرف آپ کی سوچ ہے ورنہ میں آپ کو اپنی ممی کی طرح ہی سمجھتی ہوں۔'' آصفہ آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

''چلو ٹھیک ہے تمہاری بات پر یقین کر لیا مگر زمزم سے اتنی نالاں کیوں ہو؟ کیا اس بچی کو دیکھ کر ترس نہیں آتا؟ رحم نہیں آتا؟''

''ماں جی! میں اسے نہیں اس کے کریکٹر کو دیکھ رہی ہوں۔''

''بہو! تمہاری کوئی بیٹی نہیں ہے تو اسکا یہ مقصد نہیں کہ تم کسی کی بیٹی کو خوامخواہ بدنام کرو ذرا اللہ کے خوف سے ڈرو۔'' ماں جی طیش زدہ انداز میں بولیں۔

''میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہی کیا اس کی ماں.....''

''خاموش رہو تم جیسی عورتوں کو کوئی بات بنی چاہئے بتنگڑ بنانے کے لئے ضروری ہے ماں کے چلن پر بیٹی بھی چلے اور کان کھول کر سن لو وہ یہاں سے اس طرح نہیں جائے گی عزت کے ساتھ رخصت کروں گی کسی شریف انسان کے ساتھ نکاح کے تین بول پڑھوا کر۔''

جو باتیں آہستگی سے شروع ہوئی تھیں جذبات و غصے کے باعث وہ لاؤنج میں بیٹھی زمزم کی سماعتوں تک باسانی رسائی حاصل کر چکی تھیں وہ سنسناتے بدن کو بمشکل گھسیٹتے کمرے تک آئی تھی۔ ایسی باتیں اس نے پہلی بار نہیں سنی تھیں تذلیل پہلی بار نہیں ہوئی تھی اس تحقیر و بے عزتی کی تشہیر زنی کرتی باتیں وہ اس عمر سے سنتی آ رہی تھی جب ان باتوں کے معنی سے بھی وہ واقف نہ تھی۔

ماں.....!

anchal.com.pk

کائنات جس کے وجود سے حسین نظر آتی ہے۔ ماں! اللہ کی رحمتوں میں سے سب سے بڑی رحمت..... ماں! جو اولاد کے لئے اس کی حیات ہوتی ہے اس کا افتخار ہوتی ہے اس کی کائنات ہوتی ہے لیکن اس کی ماں اس کے لئے کیا تھی۔

رسوائی..... ذلت ندامت۔

آنسو بے آواز ندی کی طرح رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''زمزم!'' ماں جی وہاں سے اٹھ کر یہاں چلی آئی تھیں۔ ''بیٹی! رو مت میں سمجھ گئی تم نے سب سن لیا ہے یقیناً تمہیں بہت برا لگا ہوگا' لگنا بھی چاہئے لیکن بیٹی بہو کی زبان خراب ہے وہ سوچ سمجھ کر نہیں بولتی ورنہ دل کی تو بہت اچھی ہے۔'' ماں جی اسے قریب بیٹھی دلاسے دے رہی تھیں۔

دل کی اچھائی یا برائی لہجے کے انداز سے عیاں ہوتی ہے دل کہاں نظر آتا ہے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ماں جی' مجھے برا نہیں محسوس ہوا ایسی باتیں میں اس عمر سے سنتی آئی ہوں جب شعور کے در وا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن نہ معلوم کیا بات ہے ایک عمر سے سننے والی ان باتوں کی عادی نہ ہو سکی ہوں۔''

''پگلی! بھلا کوئی ایسی باتوں کا بھی عادی ہو سکتا ہے جو درد دیتی ہوں۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے آنسو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے ماں جی نہیں دادو کہا کرو زین بھی دادو کہتا ہے۔''

''زین..... کون ہیں؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''زین العابدین میرا پوتا ہے' مکرم کا بیٹا' چند دنوں قبل ہی تو انگلینڈ سے بزنس کی ڈگری لے کر آیا ہے اپنے باپ کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا ہے دوستوں کے ہمراہ گیا ہوا ہے پکنک

منانے آج کل میں آئے گا نہ ڈانٹ کھٹ ہے۔ اس کے آنے سے گھر میں بہار آ گئی ہے۔'' ماں جی اپنے پوتے کی باتیں بتانے لگی تھیں اور اس کے اندر گویا سناٹے اترنے لگے تھے۔ آصفہ بیگم کی ناپسندیدگی کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

''دادو! کیا آپ میری کہیں جاب کا بندوبست کر سکتی ہیں؟''

''کیوں بھئی! تمہیں یہ دو دنوں میں ملازمت کی ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی؟ کس چیز کی تنگی ہے؟''

''یہاں تو مجھے گھر سے بڑھ کر آرام ملا ہے' کسی شے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی..... مگر دادو! بہر حال بہت جلد مجھے یہاں سے جانا پڑے گا۔ جاب میری اشد ضرورت ہے۔''

''یہاں سے کہاں جاؤ گی؟''

''ہاسٹل۔''

''ارے رہنے دو جب تک زندہ ہوں' تمہیں کسی پر بوجھ نہیں بننے دوں گی۔'' ماں جی کے لہجے میں گرم محبت پر وہ خاموش ہو گئی تھی' مگر دل میں وہ عہد کر چکی تھی' بہت جلد جاب حاصل کر کے یہاں سے جانے کا۔

دوسرے دن صبح جب وہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر لان کے عقبی حصے میں آئی تو وہاں پھیلے سبز پتوں و پھولوں پر چمکتے ننھے ننھے موتیوں کی طرح شبنم کے قطروں کو دیکھ کر اس کے اندر گویا ایک خوشگوار تازگی ابھری تھی۔ وہ بے اختیار سحر زدہ سی چپلیں فرش پر اتار کر ننگے پاؤں لان کی سبز گھاس پر چلی تو ٹھنڈک و راحت کا پر سکون احساس اس کے بے کل وجود میں سرائیت کرتا چلا گیا۔ رات کے شاید آخری پہر رحمت الٰہی کے کچھ چھینٹے یہاں برسے تھے جن کی نمی وہاں کے پیڑ پودوں و گھاس میں موجود تھی' پنک کلر کے سادہ سے جارجٹ کے سوٹ میں دوپٹے کو نماز کے انداز میں لپیٹے اس کے غمگین و متفکر چہرے پر تفکرات کے سائے تھے۔ رات سے اسے نہ ڈھنگ سے نیند آئی تھی' نہ ہی سکون ملا تھا' دادو سے یہ علم ہونے کے بعد کہ ان کا پوتا بھی یہاں رہتا ہے اور آج کل میں آنے

والا ہے' اسے ہراساں کر ڈالا تھا' پہلے دن آصفہ بیگم کے روکھے پھیکے رویے نے اس کی حساس طبیعت کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا' مسز اوکل شام دادو اور آصفہ بیگم کی باتیں اسے باور کروا چکی تھیں اس کو یہاں ''پناہ'' نہیں ملنے والی اور کیوں نہیں ملنے والی؟ اس سوال کا جواب بھی اسے مل گیا تھا' یقیناً ہر ماں کی طرح آصفہ بیگم بھی اپنے بیٹے کی خیر خواہی چاہتی تھیں۔

گیٹ کھلا تھا' ٹریک سوٹ میں کوئی جوگنگ کرا ہوا اندر آیا تھا' زمزم گیٹ کی آواز پر چونک کر پلٹی تھی اندر داخل ہونے والا شخص بھی ٹھٹک کر وہیں رک گیا تھا۔ لمحے بھر کے لئے دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں۔ ایک طرف نگاہوں میں حیرانی' تجسس واشتیاق تھا' دوسری طرف نگاہوں میں خوف' وحشت وسراسیمگی تھی۔

دراز قد..... سرخ وسفید رنگت' بے حد روشن روشن براؤن آنکھیں۔ وہ سمجھ گئی کہ اتنے استحقاق بھرے انداز میں گھر میں کون داخل ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہ ہی زین ہے' اس نے سوچا تھا وہ کبھی بھی اس شخص کے سامنے نہیں آئے گی جس کی غیر موجودگی میں آصفہ آنٹی کا اس قدر رنگ زیبا ہے' یہ ہے ان موجودگی میں نہ معلوم ان کا رویہ کیا ہوگا؟ مگر سوچیں کب پوری ہوتی ہیں؟ کم از کم اس کی کوئی تمنا' کوئی آرزو کب پوری ہوئی تھی جو اب ہوتی..... وہ نہ معلوم رات کب آیا تھا دادو عشاء کی نماز کے بعد جلد سونے کی عادی تھیں وہ بھی ان کے کمرے میں ہی رہ رہی تھی سو وہ بھی جلدی سو جاتی تھی۔

''ہیلو! گڈ مارننگ۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھتا ہوا گویا ہوا تو گویا اس کی حسیں بیدار ہوئیں وہ کوئی جواب دینے یا اس کی جانب دیکھنے کے بجائے گھبرائی بوکھلائی سی وہاں سے سرپٹ ایسی بھاگی گویا اس کی جانب بڑھنے والا شخص انسان نہیں کوئی غیر مرئی مخلوق ہو۔ زین حیران سا رہ گیا..... ارے یہ کیا رہ گیا۔

رات کے کسی پہر معمولی سی ہونے والی بارش نے گرمی وحبس میں مزید اضافہ کر دیا تھا مسز اوستم درستم طویل ترین لوڈ شیڈنگ نے ماحول میں آگ لگا دی تھی۔ U.P.S چارجنگ کمپلیٹ نہ ہونے کے باعث بار بار آف ہو رہے تھے جنریٹر کی آواز سے دادو کو الرجی تھی۔

لاؤنج کے ماربل کے فرش پر وہ بیٹھی دادو کے سر میں تیل سے مساج کر رہی تھی' لائٹ گئی ہوئی تھی' لان کی سمت کھلنے والی کھڑکیاں کھلی ہونے کے باوجود بھی شدید حبس وگرمی محسوس ہو رہی تھی۔

''کوئی بات کیا کرو بیٹی! یہ کیا ہر وقت منہ کو تالا لگائے رکھتی ہو' اس عمر میں تو لڑکیوں کی زبان سروتے کی طرح چلتی ہے' ہنسی کے فوارے منہ سے ایسے پھوٹتے ہیں جو بند کروائے بند نہیں ہوتے

ہیں۔"

ماں جی کے لہجے میں اس احتیاط پسند گم صم وخاموش رہنے والی معصوم سی لڑکی کے لئے بڑی محبت تھی' جس نے بڑی محبت سے ان کے تمام کام اپنے ذمے لے لئے تھے' ان کی خدمت کرنا' ان کا خیال رکھنا' اسے بہت پسند تھا۔ وہ جو نک چڑھی وتفاخر سے گردن اکڑائے رکھنے والی بہو کی لاپروائی وبیزاری سے عاجز تھیں' زمزم جیسی بے زبان وخدمت گزار لڑکی کسی نیکی کا اجر معلوم ہوتی تھی' چند دنوں میں وہ اس کی گرویدہ ہو گئی تھیں۔

"دادو! وہ خوش نصیب لڑکیاں ہوتی ہیں جو عزت دار وپاکباز ماؤں کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ ان کی زبان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان کے قہقہے اعتراضات سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کی مسکراہٹ پر پہرے نہیں ہوتے۔" وہ جیسے خواب کی سی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔ "مجھ جیسی لڑکیاں جن کی مائیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی اور کے ساتھ فرار ہو جاتی ہیں' وہ اپنے کردار کی سیاہی پیچھے چھوڑ جاتی ہیں' پھر ہمارے ہر قدم پر تنقید ہوتی ہے' تمام حرکات وسکنات پر نگرانی ہوتی ہے' اس قدر سختی' اس قدر نفرت وکراہیت کہ..... سانسوں پر بھی پہرے محسوس ہونے لگتے ہیں۔" دل تو ہر دم بوجھل رہتا ہی تھا' دادو کی خواہش پر وہ بلک اٹھی تھی' زندگی اس کے لئے کبھی راحت نہ بنی بلکہ ہر دن اذیت وذلت ہی اس کے لئے کشید کرتی رہتی تھی' اپنے باپ سے کی جانے والی اپنی ماں کی ہرجائی پن کی سزا اس نے اس عمر سے بھگتنا شروع کی تھی' جب وہ ان جذبوں سے آشنا نہیں تھی۔ وہ فقط دو سال کی تھی جب اس کی ماں (جو ماں بننے کے باوجود بھی ممتا سے محروم تھی) پڑوس میں رہنے والے کسی شخص کے عشق میں مبتلا ہو کر رات کے اندھیرے میں اس شخص کے ساتھ فرار ہو گئی تھی جو کچھ عرصہ قبل ہی وہاں کرائے دار رہا تھا' نہ معلوم کس طرح اس شادی شدہ ایک بچی کی ماں کی عقل ہی ضبط نہ ہوئی تھی' ایمان وعاقبت بھی خراب ہو چکی تھی۔ نہ معلوم ہو "عشق" میں مبتلا ہوئی تھی یا "ہوس" میں بھلا ایک شادی شدہ عورت کس طرح کسی غیر کے متعلق سوچ سکتی ہے۔ شاید نفس کی غلامی' بے مہار خواہشوں کے انبار' خود پرستی اور دین سے بے رغبتی ہی ایسی عورتوں کو ایسے اقدام کی طرف راغب کرتی ہیں جو نہ اس جہاں میں انہیں سرخرو وباعزت مقام دے پاتا ہے اور نہ یوم حساب گلو خلاصی کے لئے چھوڑتا ہے' ایسی عورتیں خود تو آگ کے دریا میں چھلانگ لگاتی ہیں ساتھ پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو بھی ایک ان دیکھی آگ میں جھلستا چھوڑ جاتی ہیں۔

فرح کے فرار کے بعد کتنے عرصے تک مقصود خود سے نگاہ نہ ملا پایا تھا۔ وہ لوگوں سے چھپنے لگا تھا' اپنوں سے بیگانگی اختیار کر لی تھی۔ لوگ اس سے نشتر کی زبان میں ہمدردی کرتے تھے' اپنوں کی نگاہوں میں اسے اپنی مردانگی کا مضحکہ اڑاتی تصویریں نظر آتی تھیں۔ اس کا قصور یہ تھا کہ وہ بے حد شریف و بیوی پر دل و جان لٹانے والا آدمی تھا' خام سے نقوش و سانولے رنگ روپ والے مقصود کو اپنی حسین شوخ و چنچل بیوی سے بڑی محبت تھی' وہ اس کی خوشی کی خاطر دن و رات محنت کرتا تھا' حالانکہ اس کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب تھی' جہاں معقول سیلری تھی مگر نت نئے فیشن کی دلدادہ و مہنگے سے مہنگے کپڑوں و جیولری کی شوقین بیوی کی خواہشوں کی تکمیل کے لئے اسے اوور ٹائم بھی کرنا پڑا تھا' جس کا صلہ اسے یہ ملا تھا کہ وہ اس کی مردانگی و حمیت کو اپنے قدموں تلے کچل کر فرار ہو گئی تھی۔

وفا زندگی بخشتی ہے تو بے وفائی مارتی تو نہیں لیکن مردوں سے بدتر کر دیتی ہے ایک عرصے تک مقصود لوگوں سے منہ چھپائے پڑا رہا پھر ماں کی دھائیوں اور حوصلوں نے اس کے اندر کچھ ہمت پیدا کی۔ اس نے وہ محلہ چھوڑ کر دوسری بستی کا رخ کیا تھا۔ دادی نے بڑی دھوم دھام سے اس کے باپ کی دوسری شادی کی تھی' سوتیلی ماں قبول صورت تھی مگر مزاجی و اخلاقی طور پر اس سے زیادہ بدصورت کوئی نہ تھا۔ باپ نے بیوی کے ہرجائی پن و بے وفائی کا بدلہ اس سے بیگانگی و بے رخی اختیار کر کے لیا۔ ماں کے علاوہ وہ باپ کے ہوتے ہوئے بھی لاوارث تھی۔ دادی کو اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں' شفاف رنگت تیکھے نقوش میں اس کی ماں کی شبیہ نظر آتی' وہ اکثر بے خطا ہی اسے بری طرح پیٹ ڈالتیں۔ سنہرے نرم بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ کر جھٹکے دیتیں اور ساتھ ہی ان کی زبان سے اس کے اور اس کی ماں کے خلاف خرافات و گالیوں کا طوفان ہوتا تھا' جس میں اس کی سسکیاں و آہیں دب کر رہ جاتیں۔ نہ کوئی اس کا ہمدرد تھا' نہ کوئی فریاد سننے والا' وہ وہاں ایک بوجھ تھی' اس کی ماں بھاگی تھی تو ساتھ ہی اس کے رشتے بھی لے گئی تھی۔ وہ یہاں نہ کسی کی بیٹی تھی اور نہ ہی کسی دادی کی پوتی۔ وہ ایک آوارہ بدچلن ماں کی بیٹی تھی جو ناقابل اعتبار تھی۔

''خود اپنا منہ کالا کر کے گئی ہے ڈائن! اس سنپولی کو کیوں یہاں چھوڑ گئی؟ دیکھنا یہ بھی اس بھگوڑی کی طرح ہماری ناک کٹوائے گی۔'' دادی آخری سانس تک اس سے بدگمان و متنفر رہی تھیں اس کی خدمت اس کا ایثار و صبر ان کا دل صاف نہ کر سکا تھا۔

دادی کی موت کے بعد وہ پوری طرح سوتیلی ماں کی دسترس میں تھی۔ اس کم ظرف وکینہ ور عورت نے گویا اس کی سانسوں پر بھی پہرہ لگا دیا تھا۔ اس کی ماں کو وہ ہمیشہ گالی سے یاد کرتی تھی۔ اسے اس کی صورت اور وجود سے چڑ تھی بڑی گہری قہر کی نگاہ وہ اس پر رکھتی تھی اپنا گریجویشن گویا انگاروں پر چلتے ہوئے مکمل کیا تھا۔ سوتیلی ماں کے کوئی اولاد نہیں تھی تب بھی وہ اسے برداشت کرنے کو تیار نہ تھی پھر اچانک ہی باپ بیمار ہو کر اسے تنہا چھوڑ گیا۔ وہ بالکل ہی بے سائبان ہو گئی۔ سوتیلی ماں کسی طور اسے ساتھ رکھنے کو تیار نہ تھی۔

ایسے میں کسی خدا ترس نے مکرم صاحب کو حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ ماں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصل آباد سے اسے لے آئے تھے۔

''بیٹیاں ماؤں کی شناخت ہوتی ہیں اور میری شناخت.....''

ماں جی نے اسے بڑی اپنائیت سے گلے لگا لیا اور گویا ہوئیں۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا ضروری نہیں کوئلے کی کان سے کوئلے ہی برآمد ہوں کبھی کوئلوں میں سے ہیرے بھی نکل آتے ہیں اور تم اپنی ماں کے سیاہ باطن سے نکلنے والا انمول ہیرا ہو۔'' انہوں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

''اگر اسی طرح رو رو کر خود کو ہلکان کرتی رہیں تو کبھی کچھ نہ کر سکو گی یہ دنیا رونے والوں کا نہیں ہنسنے والوں کا ساتھ دیتی ہے۔''

''دادو! آپ مجھے جاب کی اجازت دے دیں۔''

انہیں مہربان موڈ میں دیکھ کر کئی دفعہ کی کہی ہوئی بات اس نے دہرائی دادو نے غور سے اس کی بھیگی آنکھوں و سرخ ناک کو دیکھا۔

''اچھا..... اگر تمہیں اتنا ہی شوق چڑھا ہے نوکری کا تو مکرم یازین سے کہہ کر ان کے پاس ہی لگوا دوں گی' اس طرح تمہارا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور یہ اطمینان بھی رہے گا کہ تم محفوظ ہو۔''

panchan.com.pk

''نہیں.....نہیں.....میں ان کے ساتھ کام نہیں کروں گی۔'' وہ پریشان کن لہجے میں بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ یہاں تو تمہیں بیٹھے بٹھائے نوکری مل جائے گی پھر ایسی سختی بھی نہ ہوگی' مکرم تو سال کے بارہ مہینوں میں گیارہ مہینے تو ملک سے باہر رہتا ہے تب ہی تو بہو لنڈوری گھومتی رہتی ہے' کبھی اس پارٹی میں' کبھی اس پارٹی میں' کبھی اس بھائی کے ہاں تو کبھی اس بہن کے ہاں' گھر کی تو فکر نہیں ہوتی اسے' ساس کی صورت میں چوکیدار موجود ہے۔''

آصفہ بیگم کی بے توجہی ولاپروائی عموماً ان کے لبوں سے شکوے کی صورت میں برآمد ہو جایا ہی کرتی تھی۔

''اب زین کے آنے سے یہاں میلا لگنے لگا ہے' ہر روز کبھی بھانجیاں تو کبھی بھتیجیاں منہ اٹھائے چلی آتی ہیں' گٹر پٹر بولتی ہوئی' بے حیائیں۔''

حسب عادت وہ بہو اور ان کے میکے والوں میں الجھ چکی تھیں۔

Ranchat.com.p

❀❀❀

''مام! ہوا زشی؟'' زین آصفہ سے مخاطب ہوا تھا۔

''وہ.....ریلیو ہے۔''

''کیا پرابلمز ہیں اس کے ساتھ؟''

زین کا انداز گو کہ سرسری تھا مگر آصفہ بیگم پوری طرح چوکنا ہوئی تھیں۔

''کیوں؟ آپ سے کچھ کہا اس نے؟''

وہ گہری نگاہوں سے اس کے وجیہہ چہرے کو ٹٹولتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''مجھ سے.....اوہ نو مام! وہ مجھ سے ایسی خوفزدہ رہتی ہے گویا میں انسان نہیں کوئی ''گھوسٹ'' ہوں۔''

''اے.....آپ سے کب ملاقات ہوئی؟''

''کل صبح واک کر کے آیا تھا جب وہ لان میں تھی مجھ پر نظر پڑی تو وہ دیکھتے ہی اس نے دوڑ لگا دی تھی۔ آج دادو سے ملنے گیا تو مجھے دیکھتے ہی کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئی تھی شی از ویری آمیزنگ گرل۔'' زین کے انداز میں تعجب و سرسری پن تھا مگر آصفہ بیگم کی تنگ پیشانی پر لاتعداد شکنیں پھیل چکی تھیں وہ درشتگی سے گویا ہوئیں۔

''ہونہہ یہ سب ہتھکنڈے ہیں مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔''

''وھاٹ مام!'' وہ حیران ہوا تھا۔

''زیادہ نہیں صرف اتنا کہوں گی اس کی ماں اس کے باپ کو چھوڑ کر اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ فرار ہو گئی تھی۔ اس کا باپ مرتے دم تک لوگوں سے منہ چھپاتا رہا تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کی سیکنڈ وائف نے اسے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا تو آپ کے پاپا اس ''گند'' کو یہاں لے آئے ہیں جبکہ آپ کی دادو دل و جان سے فدا ہیں اور آپ کے پاپا بھی کالز کرتے رہتے ہیں۔''

نہ معلوم انہیں یہ وہم کیوں تھا کہ زین کہیں زمزم کی طرف متوجہ نہ ہو جائے اور ان کا اپنی بہن کی بیٹی روشانے کو بہو بنانے کا ارمان پورا نہ ہو اول روز سے ہی وہ زمزم سے نفرت کرنے لگی تھیں جو گزرتے دنوں کے ساتھ بڑھ رہی تھی وجہ ساس کی ناپسندیدگی تھی اور زمزم کی یہ بدنصیبی تھی کہ وہ ان کے توسط سے یہاں آئی تھی اور نفرت کی اس بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں پھنس گئی تھی۔ زین نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔

❀❀❀

اس نے سوچا تھا جاب اسے جلدی مل جائے گی اور وہ سیلری ملتے ہی ہاسٹل میں شفٹ ہو جائے گی۔ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا دو ماہ در در کی خاک چھاننے کے باوجود اسے کسی پرائیویٹ اسکول میں

معمولی سی جاب بھی نہ مل سکی تھی۔ اس دوران وہ ہمت تو نہ ہاری تھی مگر بددل خوب ہوئی تھی۔

''میں کہتی ہوں' چھوڑو اب یہ روز روز کے جھنجٹ' گھر بیٹھو آرام سے' نہیں ملے گی نوکری' ملکی حالات دیکھ رہی ہو کس طرح معاشی بدحالی پھیلی ہوئی ہے۔ افراتفری' مارا ماری نے روزگار تباہ کر دیئے ہیں' نہ سر روزگار لوگوں کی نوکریاں ختم ہو رہی ہیں تو نئے لوگوں کو کیسے ملیں گی؟'' دادو نے آج بھی اسے منہ لٹکائے آتے ہوئے دیکھ کر ہمدردی سے کہا۔

''نوکریاں تو ہیں دادو! وہ تو بس میرا نصیب ہی خراب ہے۔'' اس نے پانی پیتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''اچھا..... تم شرمیلی بھی تو بہت ہو' شرما شرمی میں انٹرویو ٹھیک نہیں دیتی ہو گی' لوگ سمجھتے ہوں گے لڑکی میں اعتماد ہی نہیں ہے' کیوں ملازمت دیں' آج کل تو ان بے حیا لڑکیوں کو پسند کیا جاتا ہے جو پھنسے پھنسے اونچے کھونچے کپڑے پہنتی ہیں اور گٹ پٹ انگریزی بولتی ہیں۔'' دادو کے انداز پر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

''ایسی بات نہیں ہے' جن لوگوں کو میری ہسٹری معلوم نہیں ہوتی میں ان لوگوں سے پورے اعتماد سے بات کرتی ہوں۔''

''اچھا اب تم اپنا ماضی لے کر مت بیٹھ جانا' اگر ملازمت تمہاری ضد بن گئی ہے تو میں زین سے کہہ کر.....''

''دادو پلیز! آپ کسی سے کچھ نہیں کہیں گی۔''

''لو بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ کوئی تک ہے اس گریز کی؟'' اس کا انکار ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

وقت اسی سرعت سے گزر رہا تھا' وہ کئی جگہ ملازمت کے لئے درخواستیں دے چکی تھی۔ کچھ جگہ انٹرویوز بھی دے کر آئی تھی' اس بار وہ بہت پر امید تھی کہ کہیں نہ کہیں تو اس کے بخت کا ستارہ چمکے گا۔

آصفہ بیگم کی وہی روٹین تھی' مکرم صاحب چند دنوں کے لئے گھر آئے تھے' یہاں آ کر بھی کاروباری مصروفیات نے انہیں فارغ رہنے نہیں دیا تھا' رات ڈھلے ہی وہ گھر آتے تھے۔ اتنی مصروفیات کے باوجود ان میں یہ اچھی عادت تھی وہ ماں جی کے پاس روز سلام کرنے آتے' ساتھ زمزم سے بھی حال حوال معلوم کرتے' شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور اس کے اندر ٹھنڈک سی پھیل

Aanchal.com

جاتی تھی۔

زین کی طبیعت میں باپ جیسی انکساری وحلاوت بہت کم تھی' مستقل مزاجی کا بھی فقدان تھا' بے شک وہ دادو سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اس کے ہر عمل میں بے قاعدگی تھی' دادو سے محبت جتانے پر آتا تو دن بھر کئی کئی چکر لگا ڈالتا' پھر غائب ہوتا تو ایسا دنوں مڑ کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

آج کل آفس سے آنے کے بعد اس کا وقت روشی کے ساتھ گزرتا تھا۔ خوبصورت چہرے متناسب قد وقامت کی مالک روشانے عرف روشی کو اپنے حسن کا پورا پورا احساس تھا' اور وہ اپنے روپ کو کیش کروانا جانتی تھی۔ ہینڈسم' اسمارٹ زین کو قابو کرنے کی خواہش ہر خواہش سے بڑھ کر تھی' زین جو اپنی پر اثر شخصیت کے باعث ان گنت جوان لڑکیوں کے سینے میں دل بن کر دھڑکتا تھا' اس میں سب سے زیادہ پرکشش خوبی یہ بھی تھی کہ وہ کروڑوں کی دولت کا اکلوتا وارث تھا۔

دادو کو بخار ہو گیا تھا۔ نزلہ وکھانسی بھی تھا۔ بخار کی شدت سے وہ نڈھال پڑی تھیں' چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''دادو پلیز! مجھے ڈاکٹر کو بلانے کی اجازت دے دیں۔ آپ کا ٹمپریچر بہت ہائی ہے۔ آپ کی پھنکی کے کوئی اثر نہیں دکھایا تھا۔'' وہ سرہانے بیٹھی ان کا سر دباتے ہوئے فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''کیوں ہول رہی ہے' بخار ہی ہے اتر جائے گا' ساٹھ سال سے اوپر عمر ہو چکی ہے مجال ہے کبھی رنگ برنگی گولیاں کھائی ہوں' مجھے تو یہ جڑی بوٹیاں ہی صحت مند کر دیتی ہیں' مجھے ان موئے ڈاکٹروں سے تو دور ہی رکھو۔''

طبیعت خراب ہونے کے باوجود وہ ڈاکٹر کو دکھانے سے گریزاں تھیں نہ معلوم کون کون سی جڑی بوٹیوں کے سفوف وہ پھانک چکی تھیں' جن سے نہ بخار میں فرق ہوا' نہ نزلہ کھانسی میں مگر وہ ماننے کو تیار نہ تھیں۔

''بخار تیز ہوتا جا رہا ہے۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی اتر جائے گا۔ چلو شاباش آرام کرو' کب سے ہلکان ہو رہی ہو' یہ حکیمی دوائی ذرا دیر سے اثر کرتی ہے سچ پوچھو تو میں چاہتی ہوں یہ بخار مجھے چند دن تو رہے' بیماریاں تو گناہ معاف ہونے کا ذریعہ بنتی ہیں۔'' باتیں کرتے کرتے وہ غنودگی میں چلی گئی تھیں۔

زمزم اس وقت تک بیٹھی سر دباتی رہی جب تک بخار کی حدت میں کمی نہ ہوئی۔ وہ شکر کا سانس لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ طبیعت میں عجیب بوجھل پن آ گیا تھا ان چند دنوں میں ہی دادو نے اسے اتنی محبت و اہمیت دی تھی کہ وہ اپنے تکلیف دہ ماضی کی پرخار یادوں سے کسی حد تک دامن بچا پائی تھی۔ دادو کی باغ و بہار طبیعت' حوصلے و ہمت نے اسے ایک نئی توانائی بخشی تھی۔ زندگی سے آنکھیں چار کرنے کا موقع دیا تھا۔ اس کے اندر روشنیاں سی بھرنے لگی تھیں اور آج انہیں اس طرح نڈھال و مدہوش پڑا دیکھ کر اس کے اندر تاریکیاں پھر پر پھیلانے لگی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹیچڈ باتھ کی طرف بڑھ گئی تاکہ وضو کر کے صلوٰۃ الحاجات پڑھے۔ دادو نے اسے بہت پہلے سمجھایا تھا کہ پریشانی و مصیبت کے وقت صحابہ کرام و بزرگان دین نماز کی طرف راغب ہو جاتے تھے' نماز ہر بلا' آفت پریشانی سے نجات دلاتی ہے۔ آج کل کے لوگ اسی لئے تو تنزلی و انتشار کا شکار ہیں کہ نماز سے غافل ہو گئے ہیں۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدے میں وہ نہ معلوم کب تک دعائیں مانگتی رہی پھر سورتیں پڑھ کر ان پر دم کیا' پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا بخار کم تھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھیں۔ وہ بے مقصد کمرے میں چکر لگانے لگی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی' ویسے بھی ابھی سونے کا ٹائم نہیں ہوا تھا۔

اچانک اسے خیال آیا کہ آصفہ بیگم کو دادو کی ناسازی طبیعت کے بارے میں آگاہ کرے' کہیں وہ خود کو لاعلم رکھنے پر خفا نہ ہوں۔ اس سے ویسے بھی وہ اول روز سے بیر باندھ چکی تھیں اب تو ان سے سامنا بھی بہت کم ہوتا تھا' مگر ان کے تنفر و نفرت میں کمی نہ آئی تھی۔

وہ آصفہ بیگم کے پورشن کی جانب آئی تو آگے بڑھتے قدم یکدم رک گئے تھے۔ سامنے صوفے پر زین کے قریب روشی بیٹھی تھی' بلیک ٹراؤزر سے اس کی سفید پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ سرخ شارٹ شرٹ میں اس کے عریاں بازو آستینوں سے آزاد زین کے گرد حائل تھے' ڈارک لپ اسٹک' کانوں میں جھولتے لمبے آویزے' گلے میں پرل کے موتیوں کی مالا وہ بڑی خمار آلود نگاہوں

سے زین کو دیکھ رہی تھی۔ زین کا بایاں بازو اس کے شانے پر تھا وہ مسکراتے ہوئے اس سے کچھ کہہ رہا تھا اسی لمحے اس کی نگاہیں اس طرف اٹھی تھیں جہاں بلولان کے پرنٹڈ سوٹ میں دوپٹے کو پوری طرح لپیٹے وہ کچھ بوکھلائی گھبرائی سی واپس مڑی تھی۔

''ہیلو کہاں غائب ہو گئے ہو؟'' روشی نے بڑے انداز سے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''یہیں ہوں کہاں جا سکتا ہوں۔''

''یہ گنوارن یہاں کیوں آئی تھی؟'' واپس جاتی ہوئی زمزم پر اس کی نگاہ پڑی تو منہ بنا کر بولی۔

''گنوارن؟ یہ کیسا نام ہے؟''

''اس پر یہی سوٹ کرتا ہے جب بھی دیکھتی ہوں اسے اس کا یہی گیٹ اپ ہوتا ہے مگر اتنی شریف نہیں ہے جتنی دکھائی دینے کی کوشش کرتی ہے۔''

''تم کیوں کیئر کرتی ہو اس کا اور تمہارا کیا مقابلہ؟''

''مقابلہ! ہونہہ مائی فٹ! اس کی شکل سے خوبصورت میرا جوتا ہے۔'' روشی کے لہجے میں غرور و تنفر تھا وہ دونوں بانہوں میں بانہیں ڈالے پورٹیکو کی جانب بڑھ گئے تھے۔ آصفہ بیگم پارٹی میں گئی ہوئی تھیں واپسی میں اسے خاصی دیر ہو گئی تھی روشی کے ساتھ پی سی میں ڈنر کرنے کے بعد وہ سی ویو کی جانب نکل گئے چاندنی رات سمندر کی بھیگی بھیگی ہوائیں قدموں میں لوٹ پوٹ ہوتیں ٹھنڈے پانی کی لہریں روشی کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا عموماً وہ اسی طرح لیٹ نائٹ آتا تھا۔ لان سے گزرتے ہوئے دادو کے پورشن پر اس کی نگاہ پڑی تو وہاں روشن لائٹس دیکھ کر اسے کچھ کچھ حیرانگی ہوئی تھی کیونکہ یہاں کی لائٹس بہت جلد آف ہو جاتی تھیں اور آج اس وقت تک وہ کچھ سوچتا ہوا اس طرف چلا آیا۔ دادو کے کمرے میں داخل ہو کر اسے جھٹکا لگا تھا وہ تیزی سے ان کے بیڈ کی جانب بڑھا تھا جہاں وہ ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھیں۔ بخار کی حدت سے چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

anchal.com.pk

''کب سے فیور ہے دادو کو؟'' وہ ان کی نبض چیک کرتے ہوئے زمزم سے مخاطب ہوا جو اسے دیکھ کر ان کے قریب سے اٹھ کر دور کھڑی ہو گئی تھی۔

''صبح سے.....'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''صبح سے.....ڈاکٹر کو بلایا تھا؟''

''نہیں۔''

''وھاٹ؟'' اس کی بھاری آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ ''سارا دن گزر گیا اور آپ ایزی بیٹھی ہیں' دادو کی کنڈیشن دیکھ رہی ہیں؟ فیور دیکھ رہی ہیں؟ نانسینس۔ اگر دادو کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گا۔''

غصے و فکر کے تاثرات اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھا رہے تھے وہ بہت سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ جواباً وہ خاموش رہی تھی۔ کہہ بھی کیا سکتی تھی' وہ ان کے احسانوں تلے دبی ہوئی تھی وہ یہاں رہ رہی تھی' کھا رہی تھی' اسے یہاں وہ سب ملا تھا جو کبھی اپنے گھر میں اپنوں سے نہ ملا تھا' وہ بھی بدلے کسی معاوضے کے' وہ سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلا تھا پھر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر کو ساتھ لے کر داخل ہوا تھا' دادو ساٹھ سال سے جن انجکشنز و دواؤں سے بچتی رہی تھیں' پوتے کی محبت کے طفیل گرفتار ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر ٹریٹمنٹ دے کر جا چکا تھا' زین ابھی بھی ان کے بیڈ کے قریب چیئر پر بیٹھا تھا' زمزم ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر کمرے سے نکل کر ملحقہ کمرے میں جا چکی تھی۔ دادو کی بگڑتی حالت نے اسے بھی متوحش کر ڈالا تھا۔ آصفہ بیگم کو بتانے وہ گئی تھی مگر انہوں نے بیڈ روم کا دروازہ ہی نہ کھولا تھا' وہ دو تین بار ناک کر کے واپس آ گئی تھی اور ان کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی تھی' ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ بہترین تھی آدھا گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا ان کا بخار غائب ہو گیا تھا۔ چہرے پر بھی گویا طمانیت تھی۔

زین دادو کی حالت بہتر دیکھ کر جا چکا تھا' اور اس کے جاتے قدموں کی آوازیں سن کر وہ اس کمرے میں آ گئی تھی۔

صبح دادو کو حسب معمول نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کرتے دیکھ کر اس کے دل سے تشکر و ممنونیت کے جملے نکلے تھے بہت عرصے بعد وہ کھل کر مسکرائی تھی۔ یہ صبح بڑی روشن و خوبصورت محسوس ہوئی تھی۔ کل دن اور رات بھر کی ان کی حالت نے اس پر واضح کیا تھا کہ ان کی محبت ان کا وجود اس کے لئے حیات کی سب سے بڑی ضرورت بن چکا تھا۔ وہ ناشتہ بنا کر لے آئی تھی۔ دونوں نے ناشتہ کیا تھا پھر وہ کل دھوئے گئے کپڑے تہہ کر کے رکھنے لگی پریس کرنے والے سوٹ علیحدہ رکھتی جا رہی تھی۔

''یہ بازو میں کیسی تکلیف ہو رہی ہے محسوس ہو رہا ہے سوئی گھسی ہو جیسے۔'' دادو بیڈ پر بیٹھی باتیں کرتے کرتے یکدم بازو سہلاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''کل رات آپ کو ڈاکٹر نے انجکشن لگایا تھا۔ اسی کی تکلیف ہوگی۔ میں ابھی برف سے ٹکور کر دوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔'' زمزم وارڈروب میں کپڑے رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اس سے بے خبر کہ دادو کے چہرے پر استعجابیہ رنگ تیزی سے پھیل رہے تھے۔

''کیا..... کہا تم نے..... ڈاکٹر! انجکشن؟'' وہ حیرانی سے گویا ہوئی تھیں۔

''اوہ سوری دادو!'' انہیں خفا دیکھ کر اس نے رات کو ان کی تشویشناک حالت زین کے ڈاکٹر کو لانے کی سب تفصیل بتا دی تھی۔ وہ خاموش ہو گئی تھیں مگر ان کے چہرے سے خفگی ظاہر ہو رہی تھی۔

آفس جانے سے قبل نکھرا نکھرا خوشبوؤں میں شرابور زین آیا تھا۔ دادو سلام کا جواب دے کر بھرے بادلوں کی طرح اس پر برس پڑی تھیں۔

''میاں! میں پوچھتی ہوں تمہیں کس نے اجازت دی اس موئے ڈاکٹر کو لا کر میرا بازو چھلنی کروانے کی؟ ساٹھ سال کسی ڈاکٹر کی شکل نہیں دیکھی تھی اس عمر میں ان قصابوں کے درشن بھی کرواؤ گے؟'' وہ سخت کبیدگی و خفگی کا شکار تھیں۔

''آپ کا ٹمپریچر بہت ہائی تھا اگر میں ڈاکٹر کو لے کر نہ آتا تو.....''

Aanchal.com.pk

''ارے رہنے دو مرنہیں جاتی' زمزم بھی کتنی سر ہو رہی تھی ڈاکٹر کو بلانے کے لئے مگر میں نے سختی سے منع کر دیا تھا' مجھے جڑی بوٹیاں ہی راس آتی ہیں۔''

''دادو! آپ کی بات درست ہے جس وقت جڑی بوٹیاں اثر دکھاتی تھیں وہ وقت' وہ دور بہت صاف وشفاف ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا' جب ایسے بیکٹریا نہیں تھے جو آج ہمارے پانی میں' ماحول میں' فضاؤں میں موجود ہیں' آج کل ہیلتھی امپروومنٹ میڈیسنز سے ہی ملتی ہے۔ اب دیکھیں ایک انجکشن نے آپ کو فٹ کر دیا ہے۔''

''مجھ پر ڈاکٹری جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے' ماحول سے نہیں ہر کام نیت سے ہوتا ہے' یقین سے ہوتا ہے' ان ڈاکٹروں کی بھی کوئی اوقات ہے آتا کیا ہے ان کو؟ رشوت دے کر ڈگریاں خریدتے ہیں قصائی جیسے جانور کاٹتے ہیں ایسے انسانوں کو کاٹتے ہیں ہر کام کے لئے مشینیں لگی ہوئی ہیں پھر بھی اعتماد سے مرض کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ طبیب تو ہمارے دور میں تھے جو فقط نبض دیکھتے ہی مرض جان جایا کرتے تھے۔ اور دوائیاں ایسی کہ چند دنوں میں ہی مرض غائب اور مریض بھلا چنگا ہو کر ہنسی خوشی زندگی گزارتا تھا۔''

وہ زین کو خوب سنا رہی تھیں' زمزم زین کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر کمرے سے نکل کر صحن میں رکھی چیئر پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگی تھی۔

''یہ آج کل کے ڈاکٹر ان کی دوا سے اصل بیماری درست ہوتی نہیں کہ دوسری اور لگ جاتی ہیں پھر مرتے دم تک دوائیں کھاتے رہو۔''

زین بہت تحمل سے ان کا غصہ برداشت کرتا رہا تھا' دل کی بھڑاس نکال کر وہ اس سے اسی طرح پیار و شفقت سے پیش آئی تھیں۔ ان کا موڈ بحال ہونے کے بعد بہت ساری محبت کا اظہار کر کے وہ کمرے سے نکلا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہوں نے فوراً ہی چیئر پر بیٹھی اخبار پڑھتی زمزم کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ میرون وزرد کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس اس نے دوپٹے کو اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ ایک بال تک نظر نہیں آ رہا تھا' نہ معلوم وہ اسطرح ڈھکی چھپی کیوں رہتی تھی' اکثر آتے جاتے ہوئے اس کی نگاہ اس پر پڑ جاتی تھی' وہ اسی طرح ''پیک'' نظر آتی تھی۔ وہ جو ایک مدت سے لڑکیوں کو ماڈرن اور بولڈ ڈریسز میں دیکھتا آیا تھا' زمزم کے پیک شدہ حلیے نے عجیب سا احساس بخشا تھا' اس وقت بھی اس کی جانب بڑھتے قدم سست پڑ گئے تھے۔

''جسٹ منٹس پلیز' میں آپ کا زیادہ ٹائم ویسٹ نہیں کروں گا۔'' زمزم کو تیزی سے اٹھتے دیکھ کر وہ لجاجت سے گویا ہوا۔

''ایکچوئیلی رات میں دادو کی کنڈیشن دیکھ کر اس قدر ایموشنل ہو گیا تھا کہ نہ معلوم اس وقت آپ کو کیا کچھ کہہ گیا' جس کا احساس مجھے بعد میں ہوا' آئم سوری' میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا وہ ایسا از خود ہی ہو گیا پلیز آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔''

اس کے دھیمے مہذب لہجے سے پشیمانی و خفت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اس سے کم فاصلے پر تھا۔ زمزم کا مارے ڈر کے برا حال تھا کہ اگر کوئی ملازمہ یہاں سے گزر گئی' وہ فوراً جا کر آصفہ بیگم کے کان بھرے گی اور پھر..... وہ کہاں جائے گی؟ جگہ تو شاید کہیں مل جائے مگر دادو جیسی محبت سے بنی ہستی کہاں نصیب ہو گی' زین ابھی کہہ رہا تھا اور وہ وہاں سے چلی گئی تھی زین دیکھتا رہ گیا۔

❂❂❂

آج کل آصفہ بیگم اپنی بڑی بہن صاعقہ کے مشورے پر عمل کرنے کے لئے زوزو شہر سے زمزم کے لئے رشتہ تلاش کر رہی تھیں' کل فائقہ بیگم آئی تھیں اور ان کی نگاہ زمزم پر پڑی تھی۔ اس کے تیکھے نقوش و پرکشش پرسنالٹی دیکھ کر ان کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی اور آصفہ کی توجہ اس جانب مبذول کرانے لگی تھی۔

''آپی! ایسی کوئی بات نہیں' وہ بے حد بے ضرر لڑکی ہے اپنے کام سے کام رکھنے والی اور میں نے پہلے ہی دن سے اپنے رویے کا دباؤ اتنا ٹائٹ رکھا ہے کہ میرے سامنے آنے سے تو وہ گھبراتی ہے اور سچ پوچھو تو مجھے اس کے آنے سے بڑی راحت ملی ہے۔'' آصفہ بیگم نے شانے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

''راحت! وہ کیسے بھئی؟''

''ساس ماں کی ناز برداریاں اٹھانے سے جان چھوٹ گئی ہے ورنہ اس بڑھیا کی ہر وقت کی جھک جھک سے میں پریشان رہتی تھی' کہاں آ رہی ہوں' کہاں جا رہی ہوں' مجھ سے کون مل رہا ہے' کب سو رہی ہوں' کب جاگ رہی ہوں اومائی گاڈ! ہر وقت مکرم کے کان بھرتی رہتی تھیں۔ ملازماؤں کی الگ شامت ایک اس لڑکی کے آنے سے سب سکون میں ہیں ہر کام وہی کرتی ہے ان کا۔''

''مڈل کلاس لڑکیوں کی یہی چاپلوسی و مکاری سے بھرپور خدمت و عنایتیں خطرناک ہوتی ہیں۔ اگر تمہاری ساس اس قدر اس لڑکی سے متاثر ہو گئی ہے تو پھر مجھے روشی تمہاری بہو بنتی دکھائی نہیں

دے رہی۔"

"ارے آپی! کیسی باتیں کر رہی ہیں' میری روشی اور اس لڑکی کا بلا کیا مقابلہ؟ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟" آصفہ بیگم ہنستے ہوئے اعتماد سے بولیں۔

"تم نے شاید غور سے اس لڑکی کو نہیں دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد جاذب ہے' اس کے چہرے کے نقوش بہت دلکش ہیں۔ اگر وہ بہترین لباس زیب کرے اور حلیہ درست رکھے تو بہت حسین نظر آئے گی۔ اس سادگی میں بھی وہ جاذب نظر دکھتی ہے' جوان و خوبصورت لڑکی کو تمہیں گھر میں رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ سراسر حماقت ہے تمہاری۔" وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

"آپی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو اس میں حسن کہاں سے نظر آ گیا ہے۔ بے فکر رہیں' وہ میری روشی کے لئے خطرہ نہیں بن سکتی' زین نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا' اسے میں نوٹ کرتی رہتی ہوں' پھر اب تو وہ جاب کرنے لگی ہے اور میں یہی چاہتی تھی اپنا خرچہ وہ خود اٹھائے۔"

صاعقہ ان کے ذہن میں شک کا کانٹا چبھو کر چلی گئی تھیں اگر عورت کے ذہن میں شک کا کانٹا چبھ جائے تو وہ ہر لمحہ اس کی کسک کو محسوس کرتی ہے۔ رات کو ہی انہوں نے بغور ماں جی کے ساتھ واک کرتے ہوئے زمزم کو دیکھا تھا اور صاعقہ کی باتیں بالکل صادق لگی تھیں۔

اس کی رنگت جو پہلے سرسوں کی طرح تھی اس میں شادابی جھلکنے لگی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں چمک سی در آئی تھی۔ چہرے پر طمانیت نے عجیب سا نکھار پیدا کر دیا تھا' پشت پر پڑی ریشم جیسی بالوں کی سیاہ چوٹی نے اس کو مکمل جلا بخشی تھی۔ اس کا روپ دیکھ کر وہ متحیر رہ گئی تھیں۔ اس ہفتے کے اندر ہی اندر ان کی کوششوں سے زمزم کے تین پرپوزل مل گئے تھے' جن میں دھوبی' باورچی اور سبزی فروش کے رشتے تھے' ماں جی نے باورچی اور دھوبی کے رشتے تو فوراً ہی مسترد کر دیئے تھے۔ البتہ آصفہ کی بے حد تعریف و توصیف اور اصرار پر وہ سبزی فروش کو دیکھنے پر راضی ہو گئی تھیں۔ آصفہ بیگم نے اسے یہیں بلوا لیا تھا۔ بوسکی کے کڑھائی والے کرتے' کاٹن کی وہائٹ کلف شدہ شلوار زیبروں میں گولڈن ری کے کھسے گلے میں موٹی موٹی گولڈن چینیں' انگلیوں میں رنگ برنگے پتھروں کی انگوٹھیاں پہنے وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا' جس کے سانولے رنگ پر سیاہ رنگے گئے بال نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ شاید بہت کھرچ کھرچ کر شیو کر کے آیا تھا' گردن اکڑائے' ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا خود کو کوئی

بہت دولت مند سیٹھ ثابت کرنے کی سعی میں مگن تھا۔ ماں جی کو دیکھ کر بھی وہ احتراماً کھڑا نہیں ہوا' بیٹھے بیٹھے ہی سلام جھاڑا تھا۔

''ابھی سے دلہا بن کر آ گئے' کیا چاؤ چڑھا ہے شادی کا صرف کلمے کی کمی تو رہ گئی ہے۔'' ماں جی منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھیں۔

''ماں جی! بہت بڑے پیمانے پر یہ سبزی سپلائی کرتے ہیں پوری کراچی بھر میں ان کے فارمز کی ہی سبزیاں فروخت ہوتی ہیں۔''

درمیانی صوفے پر براجمان آصفہ بیگم فخر سے گویا ہوئیں۔

''ہاں جی' باجی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' پر بندے نے کبھی غرور نہیں کیا۔''

''اچھا لیکن میاں! تمہاری باسی سبزی جیسی شکل دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ پوری کراچی تم سے سبزی خریدتی ہوگی اور میاں! کیا تم نے ساری زندگی سبزی ترکاری کھائی ہے جو سوکھی لکڑی جیسی جسامت ہے تمہاری؟''

''ہائے اماں! اس عمر میں بھی خوب مذاق کر لیتی ہو۔'' اس نے اپنی ران پر زوردار ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا' اس دوران ماں جی کی زیرک نگاہوں سے اس کی مصنوعی بتیسی پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''باجی جی! لڑکی کو بلوا دو دیر ہو رہی ہے بندے کے پاس وقت نہیں ہے۔'' وہ آنکھوں پر لگی دبیز شیشے والی عینک اٹھا کر کرتے کے کونے سے صاف کرتا ہوا گویا ہوا۔ ماں جی کی گھورتی نگاہیں اسے بری طرح پریشان کر رہی تھیں' دوسری طرف اس کی باجی باجی کی رٹ نے آصفہ بیگم کا موڈ چوپٹ کر دیا تھا۔ اپنے باپ سے بھی بڑی عمر کے آدمی کے منہ سے باجی سننا ان کی نسوانیت کو گھائل کر رہا تھا۔ زمزم کو ٹھکانے لگانے کی خاطر وہ یہ زہر پی رہی تھیں ورنہ اس سبزی والے کو دھکے دے کر نکلواتیں' جس کی سبزی اپنے علاقے میں ہی نہ چلتی تھی' وہ ٹھیلے پر سبزی فروخت کرتا تھا۔ آصفہ نے ساس کو رضامند کرنے کے لئے یہ سوانگ رچایا تھا کہ شادی کے بعد وہ بھی کچھ نہ کر سکیں گی۔

''ارے کونسی لڑکی؟ کیسی لڑکی؟'' اس سے قبل کہ آصفہ زمزم کو لانے کے لئے اٹھتیں' ماں جی چہک کر بولی۔

''وہ.....وہ.....وہ لڑکی جس سے.....شادی.....''

''چپ کر دیدے پھوئے' تجھ جیسے بجو سے میں اپنی لڑکی کی شادی کروں گی۔ تجھے شرم نہ آئی ستر سال کی عمر میں سترہ سال کا چھیل چھبیلا بن کر آیا ہے موئے۔ بال کالے کرنے سے' دانت لگوانے سے کوئی جوان نہیں ہو جاتا اور نہ ہی کوئی آنکھیں بند کر کے لڑکی دیتا ہے۔''

ماں جی کا جلالی غصہ عود کر آیا تھا۔ وہ بے چارہ ہکا بکا کھڑا ہو گیا۔

''ماں جی پلیز! اس طرح انسلٹ مت کریں' گھر آئے مہمان کی' پھر یہ تو ان کی مہربانی ہے جو اس کے بارے میں سب جان کر بھی راضی ہو گئے ورنہ کون کرتا ہے ایسی ماں کی بیٹی سے شادی۔'' بات بگڑتے دیکھ کر آصفہ نے مداخلت کی۔

''بہو! دل میں ذرا بھی خوف الٰہی نہیں ہے' کس بے خوفی سے اس بے قصور بچی کو بدنام کرنے پھر رہی ہو' مگر یاد رکھو اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں' مت اس کے غضب کو آواز دو۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے اس لڑکی کی شادی قیوم صاحب سے ہی ہو گی ورنہ.....اس گھر میں اس کے لئے جگہ نہیں ہے۔''

''اس چھچھورے سے میں اپنی بچی کی شادی ہرگز ہرگز نہ کروں گی' زمزم لڑکی ہے کوئی سبزی نہیں جس کے خراب ہو جانے کا ڈر رہتا ہے۔'' ماں جی کی سچی کھری باتوں نے قیوم صاحب کو آئینہ دکھا دیا تھا وہ خاموشی سے چلے گئے تھے۔ آصفہ بیگم کا غصے سے برا حال تھا۔

''ہونہہ' اس لڑکی کے لئے آسمان سے کوئی شہزادہ اتر کر آئے گا' دیکھئے گا بھاگ جائے گی' کسی دن اپنی ماں کی طرح کسی چوڑے چمار کے ساتھ پھر آپ کو معلوم ہو گا' درست کون تھا آپ.....یا میں؟''

''یہ تو تمہارے دل میں حسرت ہی رہے گی' آسمان سے اتر کر کوئی شہزادہ تو نہیں آئے گا' مگر دیکھنا زمین کا ہی کوئی شہزادہ اسے شہزادی بنا کر لے جائے گا' اور یہ جگہ کی بھی خوب کہی تم نے' شاید

میری تمہاری نگاہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رہی یا درکھنا باتھی مرا ہوا بھی لاکھوں کا ہوتا ہے مکرم تم سے زیادہ مجھے چاہتا ہے ابھی بھی سعادت مند و نیک بیٹا۔"

"سوری ماں جی! میں جذباتی ہو گئی تھی آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں قیوم جیسا قابل آدمی زمزم کو مل سکے گا؟"

ماں جی نے ان کی دکھتی رگ پر وار کر کے نرمی پر مجبور کر دیا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس بڈھے گھوڑے لال لگام میں تمہیں ایسی کیا خوبی دکھائی دے رہی ہے۔ اگر وہ ایسا ہی قابل و دولت والا ہے تو تم اپنی کسی بھانجی بھتیجی کی کر دو جو تھوک کے حساب سے بھری پڑی ہیں۔" اپنی بھانجی بھتیجی کے نام پر وہ سرتاپا سلگ اٹھی تھیں۔ ماں جی انہیں سلگا کر خراماں خراماں مسکراتی ہوئی اپنے پورشن میں آ گئیں۔ وہ تصور کی آنکھ سے بہو کو جلتا سلگتا چیختا دیکھ رہی تھیں۔

"دادو! کیا ہوا؟ بڑی گہری مسکراہٹ ہے آپ کی۔" بیڈ کور بدلتی ہوئی زمزم نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کبھی کبھی کمینے لوگوں کو کمینہ سا جواب دے کر بڑی کمینی سی خوشی ہوتی ہے اور جب انسان دل سے خوش ہوتا ہے تو ایسی مسکراہٹ ہوتی ہے۔" انہوں نے صوفے پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ تو شاید آنٹی کے پاس گئی تھیں۔"

"ہاں کبھی وہ ایسی اوچھی حرکت کر بیٹھتی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے۔ معلوم ہے اللہ ہے مگر اس سچائی سے ناواقف ہے کہ وہ دیکھ بھی رہا ہے وہ سن بھی رہا ہے ہمارے عمل کا بدلہ وہ ضرور دیتا ہے دنیا کا دنیا میں آخرت کا آخرت میں ملے گا۔"

انہیں معلوم تھا آصفہ نے اپنی فطرت کے مطابق کسی ایسے ویسے مرد کا انتخاب کیا ہو گا اور ان کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے زمزم کے کان میں بھنک بھی نہ پڑنے دی تھی۔

Aanchal.com.pk

وہ حساس وغیور لڑکی نہ معلوم کیا اثر لے وہ کسی طرح اس کا دل توڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

''اگر کسی انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے کسی کی نظر ہے اس پر تو وہ کس طرح سنبھل سنبھل کر چلتا ہے۔ احتیاط سے کام لیتا ہے مگر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ جو سب سے بڑا ہے سب سے طاقتور سب سے افضل و مہربان جس کی ذات ہے ہمارا بولنا سوچنا کہنا کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے لیکن ہم پروا نہیں کرتے۔ ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ ہمارا ہر عمل خواہ وہ اچھا ہو یا برا وہ سب سے واقف ہے تو کبھی خواب میں بھی ہم سے برا نہ ہو۔''

''یہی بات ہے آج کل کی بے سکون و ابتر حالات کی کہ ہم یہ جانتے ہیں اللہ ہے مگر ہم نے اللہ کو محسوس کرنا چھوڑ دیا ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کر کے لوگ کس طرح زندہ ہیں؟ کس طرح سکون پاتے ہیں؟ بچپن سے آج تک میں نے اللہ کو اپنا ہمراز پایا ہے دوست پایا ہے اپنے دل کی ہر بات پریشانی خوشی تفکرات سب اپنے رب سے شیئر کیے ہیں اور ہر دفعہ میں نے وہ راحت و تسکین محسوس کی ہے کہ بیان کرنا لفظوں میں ناممکن ہے لوگ کہتے ہیں وہ آسمانوں میں رہتا ہے لیکن میں نے جب بھی اسے پکارا وہ مجھے دل میں ملا۔''

Ranchaspot

☯☯☯

''بیٹا! یہ سوئٹ ڈش لو بڑی لگن سے تمہارے لئے میں نے خود بنائی ہے۔'' صاعقہ سوئٹ کی ڈش زین کے آگے رکھتی ہوئی اصرار آمیز لہجے میں بولیں۔

''میں سوئٹ کہاں لیتا ہوں آنٹی پھر بھی آپ کی محبت کی خاطر چکھ لیتا ہوں۔'' فروٹ ٹرائفل معمولی سی مقدار میں پلیٹ میں ڈالتا ہوا گویا ہوا۔ روشی اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اوہ! بڑا خیال ہے اپنی اسمارٹنس کا۔''

''اوہ یس یہی تو راز ہے گرلز کو انسپائر کرنے کا۔''

آنٹی کے خیال سے وہ آہستگی سے گویا ہوا اور گرلز کے جملے پر روشی نے اسے مصنوعی خفگی سے آنکھیں دکھائی تھیں۔

فائزہ آپی سے بہت کم ملاقات ہوتی ہے کہاں ہیں وہ؟"

"تم تو جانتے ہی ہو میری دو ہی بیٹیاں ہیں ان میں جان ہے ہماری ان کو ہم دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں یہ گھر سے کم ہی نکلتی ہیں دراصل میں ان کی پرورش بڑے سخت خطوط پر کی ہے فائزہ کی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے وہ گئی ہے بلکہ وہ تو جا نہیں رہی تھی زبردستی لے کر گئی ہے یہاں اس کی فرینڈ اب بتاؤ کوئی گھر چل کر آ جائے تو کس طرح منع کیا جا سکتا ہے عموماً یہی ہے اس کی فرینڈز آ کر لے جاتی ہیں اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلی جاتی ہے۔"

صاعقہ اس جیسے شخص کے آگے بیٹیوں کی تربیت و گھر رہنے کا ڈھنڈورا پیٹ رہی تھی روشی جس کے ساتھ آدھی آدھی رات تک باہر رہتی تھی بنا کسی جھجک و گھبراہٹ کے اور روشی سے بڑی فائزہ کی اس سے دو دفعہ ہی ہیلو ہائے ہوئی تھی دونوں مرتبہ وہ بہت جلدی میں تھی آنٹی کی دروغ گوئی پر اسے کچھ اچھا فیل نہ ہوا تھا مگر وہ خاموش رہا۔

"ممی! ہم آئسکریم پارلر جا رہے ہیں۔" روشی نے مسکراتے ہوئے ماں کو اطلاع دی۔ ان کے پرسکون چہرے پر کوئی اعتراض نہ تھا وہ آرام سے زین کے ہمراہ ڈائننگ روم سے نکل گئی تھی۔

Aanchal.pk

❂❂❂

اسے ایک گارمنٹس فیکٹری میں سپروائزر کی جاب مل گئی تھی وہ فطرتاً بے حد محنتی و ایماندار تھی پھر اس کی جو خواہش تھی خود انحصاری کی کچھ بن کر دکھانے کے عزائم تھے انہوں نے اسے سخت ترین محنت کرنے پر معمور کر دیا تھا۔ یہاں بھی اس نے دو ہفتوں میں ہی تمام ورکرز کا دل اپنی ہمدرد طبیعت و خوش مزاجی سے جیت لیا تھا۔ تمام ورکرز بڑی چھوٹی عمر کی اس سے محبت سے پیش آتیں بہت عزت کرتی تھیں۔

تھکا دینے والی ملازمت کے باوجود اس نے دادو کی خدمت میں کوئی کمی نہ آنے دی تھی۔ وہ اسی طرح ان کا ان کی ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتی تھی اور وہ اسے دعائیں دیتی نہ تھکتی تھیں۔

جب ہم کسی سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے ہیں تو بدلے میں ہمیں بھی ایسی ہی ستھری و بھرپور محبت ملتی ہے کہ گلاب دو گلاب لو کے مصداق دادو بھی اس کی محبت میں بہت کچھ کر رہی تھیں وہ جو یہاں آتے وقت اپنے بیگ میں بوسیدہ رنگ اڑے کپڑے بھر کر لائی تھی' پیروں میں کالی دوپٹی والی چپل تھی اور جیولری کے نام پر کوئی آرٹیفیشل رنگ بھی اس کے بیگ میں نہ تھا' انہوں نے غیر محسوس طریقے سے اس کی انا و خودداری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دو دو تین تین کر کے بہترین ملبوسات منگوا کر اس کی وارڈروب بھر دی تھی۔ اعلیٰ قسم کی کئی مختلف سینڈلز و شوز کی جوڑیاں تھیں' ہلکی پھلکی جیولری بھی تھی۔ ان اشیاء نے اس کی ظاہری شخصیت کو سنوارا تھا تو ان کی چاہتوں بھرا خیال اس کے اندر کی خوبصورتی اجاگر کر رہا تھا' وہ اس کی غذا کا خاص خیال رکھتی تھیں' کیونکہ وہ شروع سے اپنا کھانا پینا علیحدہ کیے ہوئے تھیں۔ آصفہ بیگم کی روٹین دیر سے ناشتہ' لنچ' ڈنر کرنے' دیر سے سونا' دیر سے اٹھنا۔ وہ عشاء کی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر جلد سو جاتی تھیں اور فجر کی نماز سے قبل جاگتی تھیں' مکرم تو تھے ہی ماں کے حکم پر چلنے والے۔

آج سنڈے تھا' اس نے چھٹی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورشن کی صفائی کی اپنے اور دادو کے بیڈ کے کورز چینج کیے' کشنز پر دوسرے کورز چڑھائے اپنی اور ان کی وارڈروب درست کر کے وہ باتھ لینے چلی گئی تھی۔ نہانے کے بعد میرون کاٹن کا ملٹی ایمبرائڈری والا سوٹ زیب تن کیا۔ وہ دادو کی گھیل پر گئی لیس ادھیڑ رہی تھی جو ٹیلر نے غلطی سے وہائٹ کے بجائے شوخ کلر کی لگا دی تھی' اس کی پشت پر سیاہ ریشم بالوں کا گھنا جنگل مہک رہا تھا' وہ بڑے مگن انداز میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ زین کی آمد کو محسوس ہی نہ کر سکی۔ زین جو دادو کے پاس آیا تھا۔ صحن سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہ بلا ارادہ ہی اس کی جانب اٹھی تھی' اس کی پشت پر گھنے سیاہ ریشم کے ڈھیر کو دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا تھا۔ یکدم ہی اسے مخصوص مہک کا احساس ہوا تھا' وہ گھبرا کر اٹھی تھی' قبل اس کے کہ وہ پلٹ کر دیکھتی' زین اس کے بال بہت آہستگی سے مٹھی میں لے چکا تھا۔

''وھاٹ اے آمیزنگ! یہ آپ کے اوریجنل ہیئر ہیں؟'' زین کے لہجے میں از حد حیرانی و تجسس تھا' زمزم کے پورے بدن میں مارے اشتعال و رنج کے شرارے سے دوڑنے لگے تھے۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑائے تھے اور تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔ زین کو ہر بار وہ گم صم کر دیا کرتی تھی' اب بھی وہ حیران سا دیکھتا رہ گیا۔ اس طرف آتی دادو نے سب

دیکھا تھا ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''دادو! یہ لڑکی بہت عجیب ہے۔'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولا۔

''زین! تمہاری یہ حرکت بہت غیر مہذب و بیہودہ تھی۔ اگر وہ یتیم و مسکین لڑکی مجبور ہو کر تمہارے گھر' تمہاری چھت کے نیچے پناہ لینے آ گئی ہے تو اس کا مطلب.....''

''دادو! دادو! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' ان کی بات قطع کر کے وہ پریشان کن لہجے میں گویا ہوا۔

''وہی کہہ رہی ہوں' جو تم نے سمجھا ہے آخر تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے چھونے کی؟'' وہ بری طرح آگ بگولہ تھیں زین از حد سراسیمہ۔

''آپ کو مجھ پر کانفڈینس نہیں ہے؟ آپ کی نگاہ میں میں لوز کریکٹر ہوں؟ آپ کو میری نیت پر شک ہے؟'' وہ سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔

''نیتوں کا حال اللہ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا' میں آنکھوں سے دیکھ کر کس طرح غلط سمجھ سکتی ہوں' تم طویل عرصہ اس دیس میں گزار کر آئے ہو جہاں نہ عورت کی عزت سلامت رہی ہے نہ احترام و تقدس۔''

''مجھے وہاں کے لوگوں سے کمپیئر نہ کریں دادو! آئم سوئیر' یہ جو کچھ ہوا نہ معلوم کس طرح ہو گیا یا شاید میں نے لائف میں کبھی ایسے اصلی بال نہیں دیکھے تھے ان بالوں کی اصلیت نے مجھے مبہوت کر ڈالا تھا۔ مجھ پر جادو ہو گیا تھا جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔''

دادو کا خونخوار انداز' زمزم کے ناگواری و درشتگی بھرے طرز عمل نے اس کے اندر ندامت و استعجاب پھیلا دیا تھا وہ سخت متعجب و پشیمان تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے اپنے خون سے اس قدر گراوٹ کی امید تو نہیں ہے مگر بچے! عقل و شعور کی روشنیوں کو خواہشوں کی پھونکوں سے گل رکھو گے تو پستی کی کیچڑ میں جا گرو گے' جو خواہشوں کی منہ زوری کے تابع ہو جاتا ہے وہ عزت و توقیر سے محروم کر دیا جاتا ہے' یہ محرومی دنیا کی ہر محرومی سے بڑھ کر ہوتی ہے ہمیشہ ذہن نشین رکھنا۔''

زین کو از حد شرمندہ و پشیمان دیکھ کر دادو کے لہجے میں ملائمت کے ساتھ چہرے کے جلالی تاثرات میں بھی نرمی آئی تھی کیونکہ ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کے انداز میں کوئی ہوس و بدنگاہی محسوس نہ کی تھی بلکہ اس کے انداز میں وہ بے ساختہ پن تھا جو کسی فرد کو اچانک کوئی نئی و دلچسپ شے نظر آنے پر ہوتا ہے' لیکن وقت کا تقاضا یہی تھا کہ اس سرزد ہونے والی پہلی بے ساختگی کو ہی سختی سے رد کر دیا جائے جو آگے کسی دوسری بے ساختگی کا احتمال ہی نہ ہونے پائے۔

''آف کورس دادو! لیکن میں پھر یہی کہوں گا شاید میرا انداز غلط تھا مگر نیت بالکل صاف تھی۔'' وہ ان کی نگاہوں میں سرخروئی چاہتا تھا۔

''مجھے یقین آ گیا ہے تمہاری بات پر' دراصل یہاں آ کر بھی تمہارا واسطہ ایسی لڑکیوں سے پڑا ہے جو مادر پدر آزاد ہو کر خود کو آزادی نسواں کی علمبردار مانتی ہیں اور اپنے وقار و شرقی تہذیب و حیا کو اپنے ہی قدموں تلے روند کر سراسر اپنا نقصان کر رہی ہیں۔ تم سے جو کچھ ہوا وہ ماڈرن لڑکیاں ان حرکتوں کو اپنے حسن کا خراج سمجھ کر وصول کرتی ہیں لیکن شریف و باحیا لڑکیوں کے لئے ایسی نازیبا حرکتیں کسی تازیانے سے کم نہیں ہوتی ہیں۔''

زین خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا' جو بہت عجیب و نئی تھیں۔

آسمان پر چاند کتنا حسین و دلکش نظر آتا ہے مگر جب یہ چاند بادلوں کی اوٹ سے دکھائی دیتا ہے تو اس کا حسن دوبالا ہو کر نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے نگاہیں سحر زدہ ہو جاتی ہیں۔''

دادو اسی کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا تھیں۔ ''باپردہ و بے پردہ عورت میں یہی فرق ہوتا ہے۔ باپردہ عورت بادلوں کی اوٹ میں چھپے چاند کی مانند ہوتی ہے پرکشش و سحر زدہ کرنے والی۔''

زین کے جانے کے بعد وہ اپنے روم سے ملحقہ روم میں چلی آئیں جہاں زمزم کل کمپنی جانے کی تیاری میں لگی تھی۔ بال اب سمیٹ کر چوٹی کی صورت میں بندھ چکے تھے' وہ دوپٹہ اچھی طرح لپیٹے پریس کر رہی تھی۔ اس کی متورم آنکھیں اور سرخ ناک اس کے خوب رونے کی غمازی کر رہے تھے۔

panchal.com

''جو کچھ بھی ہوا اس پر میں تم سے شرمندہ ہوں بیٹی!'' وہ آتے ہی بلا تمہید گویا ہوئی تھیں اور اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''دراصل زین جس ماحول سے آیا ہے اور جن لوگوں کے درمیان رہ رہا ہے وہاں تو اس سے بڑی بڑی باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔ دراصل بہو کی وجہ سے وہ مجھ سے بہت دور رہا ہے میں کوئی معقول تربیت نہ کر سکی اس کی' جب تک ہم بچوں کو اچھے اور برے کے بارے میں نہیں بتائیں گے انہیں کس طرح معلوم ہوگا؟ تم دل خراب مت کرنا' بلاشبہ اس کی حرکت بچکانہ تھی مگر اللہ گواہ ہے تمہارے آگے مجھے اپنے خون کی نہیں لگی' خوب کھری کھری سنائی ہیں اسے کہ آئندہ خواب میں بھی وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا' ویسے دل میں برائی اس کے بھی نہ تھی' ایک عرصے سے پرکٹی کبوتریوں کی طرح لڑکیوں کے چھوٹے چھوٹے بال دیکھتا آ رہا ہے تمہارے بالوں نے اسے حیران کر ڈالا تھا اور اس حیرانی کی سزا اسے ٹھیک ٹھاک طریقے سے میں نے دے دی ہے لفظوں کی مار لگا کر۔''

زمزم کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ دادو کی عظمت و صاف گوئی کی وہ معترف ہو گئی تھی۔ اس کی سماعتوں نے کچھ دیر قبل ہونے والی وہ تمام گفتگو سنی تھی جو ان دادی پوتے کے درمیان ہوئی تھی۔ اس کے آنسو از خود ہی خشک ہوتے چلے گئے تھے زندگی اس نے جہنم سے مشابہ گھر میں گزاری تھی دادو کے روپ میں کسی انجانی نیکی کے بدلے دنیا میں ہی اسے جنت مل گئی تھی' وہ بڑی محبت سے ان سے لپٹی تھی۔

دادو کی باتوں اور زمزم کے اجتناب نے اسے آئندہ کئی دنوں تک الجھائے رکھا تھا وہ کب پردے اور بے پردگی کی فلاسفی سے باخبر ہوا تھا۔ اس نے صنف مخالف کو کھلے انداز میں ہی دیکھا تھا۔ انگلینڈ میں اس کی دوستی بہت سی لڑکیوں سے رہی تھی' بولڈ اور فرینک لڑکیاں اسے شروع سے ہی اپیل کرتی تھیں' یہاں آ کر بھی اس کی دوستیاں رہی تھیں تینوں ماموؤں اور چاروں خالاؤں کی بیٹیاں اس کی پاکستان واپسی پر شہد کی مکھیوں کی طرح حملہ آور ہوئی تھیں۔ ایک انار سو بیمار کے مصداق وہ ان کے نرغے میں پھنس گیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اسے پانے کے لئے اپنی متاع کل لٹانے کے لئے تیار تھیں۔ وہ راجہ اندر بنا ان کی کرم نوازیوں سے حظ اٹھا رہا تھا پھر نہ معلوم کیا ہوا تھا رفتہ رفتہ وہ ختم ہوتی چلی گئیں۔ روشی اور صاعقہ بیگم نے چالاکی سے ان کے پرانے معاشقوں و کمزوریوں کو ہتھیار بنا کر ان کے ہی خلاف استعمال کر کے میدان صاف کر لیا اور پھر روشی بہت تیزی سے اس کے قریب ہوتی چلی گئی تھی۔

خوبصورت..... بے باک..... بھرپور جذبات واحساسات کا برملا اظہار کرنے والی روشنی کا ساتھ اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ فری ٹائم وہ اس کے سنگ گزارتا تھا' آج بھی وہ اسی کے ساتھ تھا' بلو جینز' ریڈ اسٹرپس والے بلاؤز میں وہ فل میک اپ میں کانوں میں بڑی بڑی گولڈن بالیاں اور گلے میں چین پہنے وہ آج عام دنوں سے زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ کار ڈرائیو کرتا ہوا وہ بار بار گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا جا رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی روشنی اس کی توجہ اپنی جانب مبذول دیکھ کر اترائی اترائی بیٹھی تھی۔

''ایسے کیا بار بار دیکھ رہے ہو؟''

''سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں' موسم تمہارے دم سے حسین ہے یا موسم نے تمہیں بیوٹی فل بنا ڈالا ہے۔'' وہ شوخی سے گویا ہوا۔

اس کا اشارہ آسمان پر چھائے سیاہ بادلوں سے گرتے ننھے ننھے آبدار قطرے' ٹھنڈی ہواؤں کی سرسراہٹوں نے ماحول کو پر کیف بنا ڈالا تھا۔

''باتیں مت بناؤ' اگر میں اتنی ہی حسین ہوں تو تم مجھے اپنی لائف پارٹنر بنانے میں انٹرسٹڈ کیوں نہیں لے رہے۔ یو نو میرے اتنے پروپوزل آ رہے ہیں' ممی ڈیڈ صرف میری وجہ سے ریجیکٹ کر رہے ہیں لیکن مجھے لگ رہا ہے میں زیادہ ٹائم انہیں نہ دے پاؤں گی پھر نہ کہنا.....'' اس نے ایک ادا سے لڑائی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''ڈونٹ مائنڈ مائی ڈیئر! میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''وھاٹ؟ فیصلہ! یو مین لوی؟'' وہ ہکا بکا تھی۔

''آئی ڈونٹ نو آر یو..... لو.....'' وہ ونڈ اسکرین کو دیکھتا ہوا الجھے الجھے سے لہجے میں گویا ہوا اس کے مسکراتے لہجے پر سنجیدگی طاری تھی۔

''اوہ..... اوہ مائی گاڈ! یہ تم نے کیا کہہ دیا زین؟''

''ڈونٹ وری' ان دنوں میں بہت ڈسٹربنس کا شکار ہوں۔ تم مائنڈ مت کرو' مجھے کچھ وقت درکار ہے۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر شگفتگی سے گویا ہوا اور اس کے پھڑپھڑاتے دل کو کچھ تقویت

ملی تھی۔

پھر نہ معلوم کیا ہوا موسم کی طرح اس کا مزاج بھی بدلنے لگا۔ وہ جو دادو کے پاس کبھی کبھی جاتا تھا روزان کے پاس جانا معمول بن گیا تھا۔ اس دن جو دادو کی دانستگی میں اس سے حرکت صادر ہوئی تھی اور جواب میں دادو کی کھری و سچی باتوں نے اس کے فرائے بھرتے ضمیر و حمیت کو بیدار کیا تھا۔ ان کی باتوں نے اسے کئی راتوں سکون سے سونے نہیں دیا تھا۔ اسے کسی نے ایسی باتیں کب سکھائی تھیں پردہ و بے پردگی حجاب و نقاب کی باتیں اس نے کب سنی تھیں اس نے سوچا اور بہت سوچا دادو اور اپنے سے متعلق لوگوں کا موازنہ کیا تو دادو کی باتوں میں اسے انوکھا سا چارم دکھائی دیا۔ مغربی کلچر کی تاریکیاں اسے کچھ دکھائی دینے لگی تھیں۔ ان سیاہیوں کو دھونے کے لئے ہی وہ ان کے پاس آنے جانے لگا تھا۔ اس دوران زمزم اپنے کمرے میں رہا کرتی تھی۔ اس دن کے بعد سے وہ بھی بہت احتیاط برتنے لگا تھا۔ آصفہ بیگم اس کی ان نئی سرگرمیوں سے لاعلم تھیں۔ صاعقہ آصفہ بیگم پر دباؤ ڈال رہی تھیں کہ وہ زین کی خاموشی سے کیا مطلب اخذ کریں؟ جو نہ روشی کو درست جواب دے رہا ہے اور نہ ہی پرپوزل بھیج رہا ہے۔ ان کے خیال میں اتنا بہت سا ٹائم روشی کی دلاویز سنگت میں گزارنے کے بعد اسے ایک دن بھی دور نہیں رہنا چاہئے۔

آصفہ بیگم جو بیٹے کی دلچسپی روشی میں محسوس کر چکی تھیں۔ انہوں نے بڑے اعتماد سے بڑی بہن کو تسلی دی کہ دل میں کسی وہم کو جگہ نہ دیں وہ مکرم صاحب کی واپسی کی منتظر ہیں۔ ان کے آتے ہی وہ زین کے لئے روشی کا ہاتھ مانگنے آئیں گی۔ آصفہ بیگم کی وضاحت کے باوجود صاعقہ بیگم کے دل کو سکون نہ تھا نہ معلوم ان کے ذہن کے کسی خفیہ خانے میں زمزم کا خیال جم چکا تھا۔ وہ جلد از جلد روشی اور زین کو مضبوط بندھن میں باندھنا چاہتی تھیں روشی سے بڑی فائزہ کا افیئر شہر کے بڑے صنعتکار کے بیٹے سے چل رہا تھا۔ زین کی آمد سے قبل روشی بھی بڑی بہن کے نقش قدم پر چلتی ہوئی کئی افیئرز کا شکار رہی تھی زین کی آمد کی خبر سن کر وہ سب سے دامن چھڑا کر اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس اثناء میں فائزہ نے بھی دوسروں سے تعلقات ختم کر کے ماں کے مشورے پر اس صنعتکار کے اکلوتے بیٹے سے ناطہ جوڑا تھا تاکہ وہ کسی طرح چھوٹی بہن سے پیچھے نہ رہ سکے اور صاعقہ بیگم کے دل میں یہ خواہش تھی کہ ان کی دونوں بیٹیاں ان سے بھی اونچے گھرانوں کی بہوئیں بنیں تاکہ سب میں ان کی گردن فخر و انبساط سے بلند رہے۔

بلوشیفون کی سیلولیس قمیص جو نائٹ اور اونچی تھی بلوگیر والی شلوار ہم رنگ دوپٹہ کسی رسی کی طرح جھول رہا تھا تراشیدہ بال کلپ میں جکڑے ہونے کے باوجود بھی اس کے حسین چہرے کا احاطہ کیے مغرور لگ رہے تھے۔ اس کے دمکتے میرون ہونٹوں پر بڑی سحر طراز مسکراہٹ تھی کچھ دنوں سے وہ پھر سے زین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ بھی جس ماحول کا عادی تھا' بن جل مچھلی کی مانند زیادہ دور نہ رہ سکا تھا۔

وہ ڈنر کے بعد گھر لوٹے تو روشی کافی کے لئے اسے گھر لے آئی تھی' صاعقہ گھر پر نہیں تھیں۔ آج رات ان کا دیر سے گھر آنے کا ارادہ تھا' وہ کسی فنکشن میں گئی ہوئی تھیں' کافی روشی نے تیار کی تھی کافی کے دوران ہونٹوں سے کم' نگاہوں سے زیادہ بات ہوئی تھی' اس ہفتے میں اس کے حسن کا خمار زین پر غیر محسوس طریقے سے چھایا رہا تھا' اب بھی ماحول کی خاموشی میں ایک پر کیف سا اسرار پنہاں تھا اس کے نزدیک بیٹھی روشی کے وجود سے بے حد ہیجان انگیز مہک اٹھ رہی تھی' اس کی بے حجاب نگاہیں جو اس کے جذبوں کو ایک نئے تلاطم میں مبتلا کر رہی تھیں' وہ اس کے اتنی قریب تھی کہ اس کی بہکی بہکی سانسیں اس کے اندر شعلے دہکانے لگی تھیں' اس کی رگ رگ میں شرارے سے دوڑنے لگے۔ حواسوں پر یکدم ہی سرخ آندھی چلنے لگی تھی' نفس وہوس کی زور آوری انتہاؤں پر تھی' روشی کی جانب سے مکمل خود سپردگی تھی وہ کب سے یہ گیم کھیل کر اسے اپنی دسترس میں کرنا چاہتی تھی جو آج پورا ہونے والا تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر زین نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھامنا چاہا' اسی دم یکلخت جیسے کسی غیر مرئی دودھیائی نرم سا دھواں اسے اپنے حصار میں لینے لگا۔ کچھ عرصے قبل دادو کی کہی نصیحت اس کی سماعتوں میں گونجنے لگی۔

''جو خواہشوں کی منہ زوری کے تابع ہو جاتا ہے وہ عزت و توقیر سے محروم کر دیا جاتا ہے یہ محرومی دنیا کی ہر محرومی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔''

یہ آواز تھی یا حق وصداقت کی بلندی' کے اندھیارے گویا لمحے بھر میں باطل کی طرح مٹتے چلے گئے۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ شاخوں کی طرح جھکے تھے وہ ہڑبڑا کر اس طرح پیچھے ہٹا تھا جیسے ابھی ابھی گہری نیند سے بیداری نصیب ہوئی ہو چہرے پر شدید تناؤ پھیلنے لگا تھا۔

''ارے کہاں جا رہے ہو؟'' اس کی یکلخت بدلتی ہوئی کیفیت اور سراسیمہ انداز میں گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھ کر روشی شدید حیرانی سے استفسار کرنے لگی۔

''جا رہا ہوں۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''لیکن کیوں؟ تم اس طرح نہیں جا سکتے۔''

کامیابی کے بالکل قریب پہنچ کر ناکامی نے اسے بدحواس کر ڈالا تھا اس نے بھاگ کر دونوں بازو اس کی پشت کی جانب سے حائل کر کے روکنا چاہا۔

''پلیز' مجھے جانے دو میرا اس ٹائم جانا ضروری ہے۔'' اس نے جس کراہیت بھرے انداز میں اسے خود سے دور جھٹکا تھا وہ درشتگی روشی کو ششدر کر گئی تھی' نہ معلوم کیا تھا ان سلگتی آنکھوں میں جو وہ سعی کے باوجود اسے روکنے میں ناکام رہی تھی۔

گناہ کی طرف رغبت دانستہ ہو یا غیر دانستہ وہ ضمیر کو جلد یا بدیر جھنجوڑتی ضرور ہے نیکی کی ننھی سی طاقت بڑے سے بڑے گناہ کو ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اگر قلب کے کسی گوشے میں ہدایت پانے کی تمنا ہو تو ہدایت ضرور ملتی ہے اسے حاصل ہوئی تھی' اس میں جہاں دادو کی دعاؤں کا اثر تھا وہاں اس کی نیک نیتی کا بھی دخل تھا' خواہ معمولی سا ہی تھا' روشی کے وہاں سے آنے کے بعد وہ کئی دن تک خود سے نگاہیں چراتا رہا تھا۔ اس دن رونما ہونے والا وہ ادھورا واقعہ اس کے ذہن کے کئی دریچوں کو روشن کر گیا تھا۔ اسے آگہی ملی تھی پردے و بے پردگی' حیا و بے حیائی کی رموز سے' عورت اور عورت کے فرق میں' ایک لڑکی نادانستگی میں بھی کسی مرد کا اپنے بالوں کو چھونا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی حیا' اس کی پاکبازی کو یہ گوارا نہیں ہوتا اور جس کی پاکدامنی و شرافت کی گواہی وہ محافظ ایک ایسی ہستی ہوتی ہے جو اس غیر کی خاطر اپنے خون کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ دوسری لڑکی کا تعلق بھی صنف نازک سے ہی ہے مگر اس کو نہ اپنی حیا کا خیال ہے نہ نسوانیت و تقدس کا' ایک خود کو گلاب کے پھول کی طرح کئی پرتوں میں چھپا کر رکھنا چاہتی ہے اور دوسری حیا و نسوانیت کے لباس کو اپنے ہی خواہشوں کے ہاتھوں تار تار کر کے ارزاں کرنے کو تیار تھی۔

نیک و بد' صحیح و غلط' روشنی و تاریکی اسے بہت کچھ سمجھانے لگا تھا۔ روشی نے دن رات کوشش کی اس سے رابطہ کرنے کی وہ گھر بھی مسلسل آئی مگر وہ اس کی آہٹیں محسوس کر کے گھر سے نکل جاتا تھا۔ اس کے دل میں روشی کے لئے کوئی احساس' کوئی جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ محبت' نفرت' الفت' کوئی بھی تو فیلنگز نہ رہی تھیں۔ وہ اس کے دل پر لکھی ایسی کچی تحریر تھی جو آن واحد میں اس طرح مٹی تھی کہ

معمولی سا نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ جو رشتے لالچ و طمع، خود غرضی و مفاد پرستی سے باندھے جاتے ہیں وہ اسی طرح بنا نقوش کے مٹ جایا کرتے ہیں۔

وہ سڑک سے گزر رہا تھا جب اسے لگا سامنے سڑک کی سائیڈ پر زمزم کھڑی ہے پہلے تو اسے اپنی بصارت پر دھوکے کا گمان گزرا تھا مگر پھر آگے جا کر کار روک کر سائیڈ مرر سے بغور دیکھا تو وہ وہی تھی میرون ویلو پرنٹڈ سوٹ پر گرے چادر اوڑھے گرے پرس شانے پر لٹکائے وہ کھڑی تھی۔

''کم ان میں گھر ہی جا رہا ہوں۔'' وہ کار اس کے قریب لے گیا۔

''وین آنے والی ہے۔'' ایک گھبرائی سی نگاہ اس پر ڈال کر وہ کہنے لگی۔

''جلدی آ جاؤ وین ابھی نہیں آئے گی۔''

''میں نے کہا نہ میں وین میں آؤں گی۔''

وہ اسٹاپ پر کھڑے ڈھیروں لوگوں کو معنی خیز نگاہوں سے اس طرف دیکھتے پا کر گھبرا رہی تھی۔ زین کا موڈ بھی بری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس نے قہر بھری نگاہیں اس پر ڈالتے ہوئے غصے سے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہا۔

''کوئیک..... میں اندر گھسنے میں ہچکچاؤں گا نہیں یہ تماشہ مجھے پسند نہیں۔''

وین کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ لوگوں کی کاٹ دار نگاہیں اور مستزاد اس کا درشتگی سے بھرا انداز وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گئی تھی۔

''سمجھتی کیا ہو خود کو؟ ان اسٹوپڈ لوگوں میں انسلٹ کروائی ہے وہ لوگ مجھے کوئی آوارہ لفنگا سمجھ رہے ہوں گے جو آتے جاتے تھرڈ کلاس لڑکیوں کو لفٹس دیتے ہیں۔'' اس کا لہجہ پرطیش تھا وہ چپ ہی رہی۔

Aanchal.com.pk

''کہاں گئی تھیں؟'' کچھ دیر بعد وہ نرمی سے گویا ہوا تھا۔

وہ بدستور خاموش رہی تھی مگر اس کے دوبارہ پوچھنے پر اس نے سوچا کہ اس سے چھپانا فضول ہے۔ آج نہیں تو کل اسے جاب کا معلوم ہو جائے گا پھر جاب کرتے ہوئے اسے دو ماہ ہو چکے تھے' اس دوران وہ اپنے لئے ایک لیڈی ہاسٹل میں بات کر آئی تھی' جہاں ایک ماہ بعد خالی ہونے والا روم اسے ملنے والا تھا وہ وہاں شفٹ ہونے والی تھی۔

''واہ بڑی حیران کن اطلاع ہے۔'' موڑ کاٹتے ہوئے وہ حیرانی سے گویا ہوا۔

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ جاب میری ضرورت ہے۔''

''اچھا.....اور کیا کیا ضرورتیں ہیں آپ کی؟''

اتنے عرصے میں وہ پہلی بار اسے بولتے ہوئے سن رہا تھا اور سننا اچھا لگ رہا تھا۔ آواز اچھی تھی رس بھری مدھ بھری جھرنے کی مانند گنگناتی ہوئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ گھر تک راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔

گھر آیا تو نئی اطلاع ملی' گزشتہ ایک ہفتے سے فائزہ گھر سے غائب تھی۔ صاعقہ روشی کو لے کر گھر پر ہی آئی ہوئی تھیں۔ گھر سے حسب معمول وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گئی تھی اور ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود واپس نہیں آئی تھی۔ اس لڑکے کی تمام فیملی ملک سے باہر گئی ہوئی تھی۔ صاعقہ بیگم روتی پیٹتی آصفہ کے پاس آئی تھیں کہ وہ خاموشی سے زین سے کہہ کر فائزہ کے متعلق معلومات حاصل کریں' بات ابھی کسی کے کانوں تک نہ پہنچی تھی۔ وہ جانتی تھیں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے فائزہ کا پتہ لگا لے گا۔

چند گھنٹوں میں ہی فائزہ مل گئی تھی۔ سڑک پر کچھ لوگ اسے چلتی گاڑی سے پھینک کر چلے گئے تھے۔ خستہ حال مدہوش فائزہ اس طرح اچھالے جانے سے فریکچر کا شکار ہو کر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئی تھی۔

Banchaan.com.pk

دوسرا دن زمزم کی خواہشوں پر بجلی بن کر گرا تھا جب صبح اسے کال کر کے بتایا گیا کہ جاب سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ اس کے سر پر گویا چھت ہی آن گری تھی۔ اتنی تگ و دو کے بعد ملنے والی ملازمت کس طرح آسانی سے ختم کر دی گئی تھی۔ بلا کسی عذر کے اس نے اپنی غلطی جاننے کی بہت سعی کی مگر حاکم بالا کب کسی ملازم کو جوابدہی کے پابند ہوتے ہیں۔

''کب تک رو رو کر خود کو گھلاؤ گی۔ مٹی ڈالو میں نے تب بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں میرے پاس نہ رقم کی کمی ہے نہ کسی اور شے کی تمہیں دل سے میں نے اپنا مانا ہے جب میں تمہاری ہوں تو میری ہر چیز تمہاری ہے اب تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے نوکری ووکری کی بس اب چھوڑو یہ رونا۔'' دادو نے بڑی چاہ سے اس کے آنسو اپنے آنچل میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ کی بات سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر دادو! میرا دل گوارا نہیں کہتا اس طرح آپ پر بوجھ بن جانے کو۔'' اس کی آنکھوں کے ساتھ آواز بھی بھیگی تھی۔

''خیر تم بوجھ تو نہیں ہو غیور باپ کی غیور و خوددار بیٹی ہو جو اس طرح سوچتی ہو اچھی بات ہے خودداری و وقار ہی ہماری اصل میراث ہے۔ میں بات کروں گی زین سے اب تو اسے معلوم ہو گیا ہے وہ کوئی اچھی ملازمت دلوا دے گا۔ بس تم خوش رہو۔''

ان کے تسلی دینے پر دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی ورنہ وہ جانتی تھی اس شہر میں جاب حاصل کرنا پارس پتھر حاصل کرنے کے مترادف تھا۔

فائزہ کے متعلق جان کر جہاں اسے شدید غم و غصہ برداشت کرنا پڑا تھا وہاں حمیت و غیرت نے بھی خوب جوش مارا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ فائزہ گینگ ریپ کا شکار ہوئی تھی۔ وہ جس دولت مند لڑکے کو قابو کرنے کے چکر میں رات دن اپنی انا و وقار بھلائے پڑی رہی تھی پہلے تو اس صنعت کار کے بیٹے نے اس سے فائدہ اٹھایا اور پھر ملک سے باہر جانے سے قبل اپنے دوست کے حوالے کر گیا۔

اگر صاعقہ بیگم کے کہنے پر زین خفیہ پولیس کا استعمال نہ کرتا تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ رسوائی کے ڈر سے صاعقہ بیگم نے معاملہ آگے بڑھنے نہ دیا تھا۔ فائزہ جیسی آزاد منش لڑکیوں کو سب کچھ گنوا کر عقل آتی ہے تو وہ ہر طرف سے تہی دامن ہو چکی ہوتی ہیں جسم کے گھاؤ بھر جاتے ہیں مگر روح کی کسک مرتے دم تک گھائل رکھتی ہے۔ چھ ہفتوں بعد وہ قدرے نارمل ہو گئی تھی مگر کبھی شاداب و شگفتہ

دکھائی دینے والا اس کا سراپا اب خزاؤں کی زد میں رہنے لگا تھا۔

''ماں جی! آخر یہ لڑکی کب تک یہاں بیٹھ کر مفت کی روٹی توڑے گی۔ کوئی کام نہیں ہے ہر وقت آپ کی بغل میں گھسی بیٹھی رہتی ہے۔'' آصفہ بیگم ساس سے مخاطب ہوئیں جو زمزم کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

''تمہیں اس بچی کی ایک روٹی کیوں بھاری پڑ رہی ہے حد ہوتی ہے کمینے پن کی بھی' کیوں بیر باندھ لیا ہے اس بچی سے؟''

''میں کہتی ہوں مجھے کسی کی پرائی جوان لڑکی اپنے گھر میں نہیں رکھنی میرے جوان خوبرو بیٹے کا ساتھ ہے لوگ کیا سمجھیں گے؟''

''اے بی! جاؤ منہ مت کھلواؤ میرا' کیوں کسی کی شریف بچی کی زندگی تنگ کرتی ہو تمہارے لئے کچھ نہیں مگر میرا بڑا سہارا ہے یہ لڑکی۔''

''شریف اور یہ؟'' انہوں نے تمسخرانہ انداز میں زرد پڑتے چہرے والی زمزم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں کس ماں کی بیٹی ہے کیا گل کھلا کر آئی ہے اس کمپنی میں جو انھوں نے گھر بیٹھے جاب سے چھٹی کر دی۔''

''بہو! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بات کرو' یہ تو بدنام ماں کی بیٹی ہے اور تمہاری بہن کی بیٹی نے ایسا کیا کیا تھا جو راتوں رات ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ رخصتی کر دی۔'' بہو کی بدلحاظی انہیں کبھی برداشت نہ ہوئی تھی۔

''آپ کی عادت ہے غیروں کو مجھ پر ترجیح دینے کی اور رہی بات فائزہ کی شادی کی تو وہ تھی ہی اتنی خوبصورت کہ وہ لوگ جھٹ پٹ شادی کرنے کو تیار ہو گئے پھر اسی ہفتے وہ دبئی چلی گئی۔''

''اللہ سب کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔'' اصل بات کہتے کہتے دادو کو برا محسوس ہوا اور نہ فائزہ کے تمام حالات سے وہی نہیں زمزم بھی واقف تھی کیونکہ ان بہنوں کی عادت تھی ہر بات بلند آواز میں کرنے کی اور دادو کی سماعت اس عمر میں بھی بہترین تھی۔

''میری بھانجیاں تو ہیں ہی لاکھوں میں ایک۔'' آصفہ بیگم کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ دراصل ان دنوں وہ بہت دباؤ میں تھیں۔ ایک تو فائزہ کی بدلتی حالت کے پیش نظر بدنامی کے خوف سے ایک ایسے آدمی سے شادی کرنی پڑی تھی جو پہلے ہی دو بیویاں نمٹا چکا تھا' دوسرے اس نے شادی کرنے کے عوض بزنس کے لئے رقم مانگی تھی' اس طرح صاعقہ بیگم کے خواب کی تعبیر بالکل ہی الٹ ثابت ہوئی تھی۔ آصفہ کو بھی بھانجی کے اس انجام کا از حد قلق تھا اور اب وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد روشی اس گھر میں دلہن بن کر آ جائے۔

مکرم صاحب نے فیصلہ بیٹے کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا مگر زین نے انہیں کوئی واضح جواب نہیں دیا تھا۔

''عورت کی فطرت بھی عجیب ہے اپنے تو درجن سے زیادہ بچوں کو دل سے لگا کر رکھے گی اور کسی اور کے ایک بچے کو نہیں سنبھال سکتی۔''

''دادو! ذرا ایک کپ اسٹرونگ سی چائے تو پلوائیے گا۔'' زین کو کچھ دنوں سے ان کے پاس آنے کی خواہش اٹھی تھی۔ وہاں آ کر وہ کھانے پینے کی فرمائشیں کرتا کہ جانتا تھا آج کل ملازمہ کے گاؤں جانے کے باعث کچن کی ذمے داری زمزم نے خود اپنے سر لے لی ہے۔

''کیا بات ہے آج کل بہت چائے پینے والے بن گئے ہو۔'' وہ پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''تھوڑا دماغ فریش ہو جاتا ہے دادو۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پہلے باہر صحن میں بیٹھی پودوں کو درست کرتی زمزم سے چائے کا کہہ کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''تم سے کب سے ایک ضروری بات کرنے کا سوچ رہی ہوں۔''

''خیریت تو ہے دادو! ایسی کیا بات ہے؟''

''ارے یہ جو اپنی زمزم ہے نا.....''

''اپنی!'' اس نے شوخی سے اپنی کو طول دیا۔

''چپ کر شریر! تیری ماں نے سن لیا تو ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔ ویسے بھی اس کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔'' انہوں نے گھر کا۔

''میں چاہتی ہوں جلد سے جلد اس کے ہاتھ پیلے کر دوں۔''

''اچھا میں ابھی آپ کو کلر کا ڈبہ لا دیتا ہوں فوراً ہاتھ پیلے کر دیجئے گا' فکر کس بات کی ہے۔''

''لڑکے! کس بات کی تجھے شوخی سوجھ رہی ہے' جو میں کہہ رہی ہوں سب کچھ رہا ہے' میں چاہتی ہوں اس کے لئے کوئی نیک اور اچھا لڑکا تلاش کر' بڑی نیک و سعادت مند لڑکی ہے جہاں جائے گی گھر کو جنت بنا دے گی۔ بہت کوشش کی ہے میں نے۔ کہ اچھے لوگ مل جائیں مگر...'' وہ گہری سانس لے کر کچھ توقف کو چپ ہوئیں۔

''ماں کے کرتوت بچی کے آگے آ جاتے ہیں لوگ ظاہر پرست ہو گئے ہیں' باطن میں جھانکنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا' سنی سنائی پر یقین کرتے ہیں' سچائی پرکھنے کی کسی میں صلاحیت نہیں ہے۔''

دادو کے لہجے میں اس نے ہمیشہ ہی اس لڑکی کے لئے خاص تاثر محسوس کیا تھا ایسا تاثر جو مقابل کو بھی گداز کر دے۔

''ضروری نہیں ہے جن کی مائیں خراب اطوار و بد چلن ہوں' ان کی بیٹیاں بھی وہی راہ اپنائیں' یہ تو اپنے اپنے ظرف و مزاج کی بات ہوتی ہے' کہ نیک اور شریف لوگوں کی اولادیں رسوائیوں و پستی میں گر جائیں اور بدنام لوگوں کی اولادیں ہر عیب و برائی سے دور رہ کر بھی رسوا ہی رہیں۔''

❁❁❁

اس دن روشی نے اسے اس طرح گھیرا تھا کہ وہ راہ فرار حاصل نہ کر سکا تھا۔ گرے اینڈ بلیک ٹراؤزر سوٹ میں وہ اس کے سامنے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اس کی بے وفائی و بے رخی کا شکوہ کر رہی تھی۔

''روشی! تمہیں یہ غلط فہمی کب ہوگئی کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟'' اس کی بار بار گردان پر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''پھر وہ سب کیا تھا جو وقت ہم نے ساتھ گزارا؟''

''دوستی..... کیا دوست وقت ساتھ نہیں گزارتے؟ کیا دوستی کا بہترین تعلق کا کوئی تصور نہیں ہوتا؟''

''یہاں نہیں ہوتا' پھر تم جھوٹ کہتے ہو تم مجھ سے محبت کرتے ہو' میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے چاہت کے چراغ روشن ہوتے دیکھے ہیں۔ تمہاری سانسوں میں اپنی محبت کی خوشبو محسوس کی ہے۔ اب نہ معلوم کیا ہوا ہے جو تم مجھ سے بھاگ رہے ہو۔ جھوٹ کہہ رہے ہو کہ مجھ سے محبت نہیں کرتے ہو۔'' وہ اٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھنے لگی تھی زین فوراً کھڑا ہوا تھا اور خاصا دور ہوگیا تھا۔

''روشی! پلیز جو زین تمہارے پیچھے رہتا تھا وہ کچھ عرصہ پہلے مر چکا ہے اب جو تمہارے سامنے کھڑا ہے اس زین کو آگہی حاصل ہوگئی ہے' اندھیرے و اجالے کا فرق محسوس ہوگیا ہے۔''

اس کا لہجہ' اس کا انداز ہی بدلے ہوئے نہ تھے بلکہ وہ سرتاپا بدل گیا تھا۔ الجھا الجھا بھرپور بیگانہ نگاہوں میں سموئے' وہ اسے اپنی دسترس سے بالکل دور بہت دور محسوس ہوا۔

''دادو کہتی ہیں.....'' روشی نے شدید غصے میں بات قطع کر کے کہا۔

''اوہ! تو یہ ساری آگ دادو کی لگائی ہوئی ہے' ممی اور آنٹی کو پہلے ہی شک تھا کہ وہ تمہیں ہم سے دور کر رہی ہیں اور آج ثابت.....''

''شٹ اپ روشی! میں دادو کے خلاف کوئی لفظ برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ بگڑے تیوروں سے جارحانہ انداز میں گرجا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں' تمہاری دادو اس تھرڈ کلاس لڑکی کو اس گھر کی بہو بنانے کی پلاننگ کر رہی ہیں اور تم بھی اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے ہو تب ہی.....''

''بکواس بند کرو اپنی۔'' وہ سخت اشتعال میں تھا۔

Aanchal.com.pk

''میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دوں گی۔ اس چڑیل کا تو ہرگز نہیں شوٹ کر دوں گی اسے مار ڈالوں گی۔'' شکست و ریخت کے احساس نے اسے حواسوں سے بیگانہ کر ڈالا تھا۔

''تمہاری انگلی بھی اسے اگر چھو کر گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' نہ معلوم کس جذبے کس احساس کے تحت اس کے منہ سے یہ جملے ادا ہوئے تھے وہ خود بھی شاکڈ سا رہ گیا جبکہ روشی مارے حیرانی کے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔ کتنا احترام! کس قدر عزت و محبت تھی اس کے لہجے میں اس ادنیٰ و بے توقیر لڑکی کے لئے جس کی شناخت کسی گالی سے کم نہ تھی جس کو اس کے اپنوں نے وہ اپنائیت و عزت نہ دی تھی جو اس کا حق تھا اور وہ سب اسے اس شخص سے مل رہا تھا جس سے حاصل کرنے کی چاہ میں وہ مری جا رہی تھی۔

''ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں؟'' وہ پھر رو پڑی تھی۔

''میں کسی کی رسوائی نہیں چاہتا اور اس لڑکی کی تو ہرگز نہیں جو بہت بے ضرر و معصوم ہے جو نگاہ اٹھا کر مقابل کو دیکھنا بھی گناہ سمجھتی ہے۔ میں اس کی عزت کرتا ہوں احترام ہے میرے دل میں۔''

''صاف کیوں نہیں کہتے محبت کرتے ہو اس سے اس نے تمہیں اپنے جال میں پھانس لیا ہے آوارہ ماں کی آوارہ بیٹی بڑی پردے دار بنتی ہے۔'' روشی نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا جس کی آواز لمحوں میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی اور سب وہاں آ گئے تھے۔

''روشی..... میری جان! کیا ہوا؟'' آنے والوں میں آگے آگے آصفہ بیگم تھیں جو روشی کی طرف بڑھی تھیں جبکہ داؤد کے ہمراہ زمزم بھی وہاں آ گئی تھی۔ صورت حال سے یکسر لاعلم سی۔

''یہ..... یہ..... اس چڑیل نے زین پر جادو کر دیا ہے مجھ سے چھین لیا ہے زین اس سے محبت کرنے لگا ہے۔''

اس نے چیخ چیخ کر زمزم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہذیانی انداز میں کہا۔ زمزم کے قدموں تلے زمین نکلی سو نکلی از حد پر اعتماد و مضبوط زین بھی اس وقت شاکڈ سا رہ گیا تھا۔ آصفہ بیگم نے ایک تحیر آمیز نگاہ پہلے بیٹے پر ڈالی جس کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں نے روشی کی بات کی تصدیق کر دی تھی نفرت و جنون کا ایک طوفان تھا جو ان پر حاوی ہوا تھا اور وہ کسی طوفانی بگولے کی مانند ہی زمزم کی طرف بڑھی تھیں اور دوسرے لمحے کمرے کی خاموش فضا زوردار تھپڑوں کی آوازوں سے گونج اٹھی تھی یہ سب لمحے بھر میں ہوا تھا۔

''مما پلیز! پلیز اسٹاپ اٹ۔'' زین نے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھامے تھے۔

''چھوڑو مجھے میں اس کا خون پی جاؤں گی' ذلیل عورت کی ذلیل بیٹی نے آخر کار اپنے گندے خون کی گندگی دکھا دی وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔''

آصفہ بیگم آپے سے باہر تھیں' وہ زین کے ہاتھ جھٹک کر دوبارہ زمزم کی طرف بڑھی تھیں اس بار دادو اس کی ڈھال بن گئی تھیں۔

''بس..... بہت ہو گیا بہو! اپنے ہاتھ قابو میں رکھو۔'' وہ بری طرح سہمی ہوئی خوفزدہ زمزم کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے آصفہ بیگم سے مخاطب ہوئی تھیں جن کے تھپڑوں نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

''میں آج آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گی۔''

''مجھے خواہش بھی نہیں ہے چلو بیٹی۔'' وہ زمزم کا بازو پکڑ کر آگے بڑھیں۔

''اب یہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ میں ابھی اسی وقت اس کو دھکے دے کر یہاں سے نکالوں گی۔'' ان کو کسی پل قرار نہیں تھا۔

''بہت خوب! اس لڑکی کے کہنے پر تم نے نہ صرف اس بے قصور لڑکی بلکہ اپنے اکلوتے بیٹے پر بھی کیچڑ اچھالی ہے اس پر شک کیا ہے' پوچھو اس سے..... اس نے کیا دیکھا؟ کس بنا پر الزام لگایا؟'' دادو رک کر روشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''روشی کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتی اس نے جو کہا وہ سچ ہے۔''

''اچھا.....! تمہیں اپنے بیٹے سے زیادہ بھانجی پر اعتماد ہے؟''

''وہ..... وہ اس عمر میں ہر کوئی بہک جاتا ہے اس میں زین کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مکاری اس لڑکی کی ہے جس نے.....''

''مما! ایسا کچھ نہیں ہے' روشی سراسر غلط بیانی کر رہی ہے یہ کیسا یقین' کیسا اعتماد ہے جو اپنی اولاد پر نہیں ہے۔'' ماں کی سطحی ذہنیت نے اسے سخت مضمحل کر ڈالا تھا۔

''آپ جاؤ یہاں سے' ان جیسی چالباز لڑکوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے' یہ دولت و عیش حاصل کرنے کے لئے خود بھی فروخت کر ڈالتی ہیں۔''

''سوری مما! آپ کی باتوں نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے۔ آپ نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ آئندہ آپ سے جو کچھ بھی میرے متعلق کہا جائے گا اس پر آپ بلا تصدیق یقین کی مہر لگا دیں گی' بلا یہ جانے کہ آپ کا یہ عمل آپ کے بیٹے کو اس کی نگاہوں سے گرا چکا ہے۔''

''زین! مائی سن! آپ مائنڈ مت کریں۔'' اس کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر وہ اس کی جانب بڑھی تھیں۔

''میں نے مائنڈ نہیں کیا..... فیصلہ کیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' وہ بوکھلائی تھیں۔

''اس لڑکی کو تحفظ و عزت والا نام دینے کا فیصلہ' میں زمزم سے شادی کر رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

اس کی بات نے بھونچال پیدا کر دیا تھا' وہ کسی طور ماننے کو راضی نہ تھا مکرم صاحب ٹورا دھورا چھوڑ کر واپس آ گئے تھے' آصفہ بیگم صدمے سے بیمار پڑ گئی تھیں۔ ان کی بازی پلٹ گئی تھی۔ زین ضدی نہیں تھا مگر یہ سب ہی جانتے تھے جب وہ ضد پر آ جائے تو منوا کر ہی چھوڑتا ہے۔ زمزم سے شادی کرنا اس کی ضد بن چکی تھی' دادو نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

مکرم صاحب اسے ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا کہہ رہے تھے۔

''پپا! کیا آپ بھی مما کی طرح نہیں چاہتے کہ وہ غریب ولاوارث آپ کی بہو بنے؟ آپ کو بھی سوسائٹی کا خوف ہے۔''

وہ اس وقت بے حد سنجیدہ تھا مکرم صاحب ایک شفقت بھری نگاہ بیٹے کے وجیہہ چہرے پر ڈالا کر گویا ہوئے۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو سوسائٹی کا خوف پالتے ہیں' میری نگاہ میں ہمیشہ سب کی خوشیاں مقدم رہتی ہیں' مجھے یہ خیال آپ کی وجہ سے آیا ہے آج آپ جذباتی ہو کر فیصلہ کر رہے ہیں کل آپ کو پچھتاوا نہ ہو۔ زمزم پر مجھے پورا اعتماد ہے اور پھر جو لڑکی ماں جی جیسی مشکل عورت کو اپنا گرویدہ بنا لے وہ لڑکی کس قدر صلاحیت والی ہوگی یہ مجھ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے اور رہا سوال اس سے جڑے ماضی کا تو میں اس کی پروا نہیں کرتا کہ اس کی ماں نے کیا کیا اور کیوں کیا؟''

''میں یہ اعتراف نہیں کرتا کہ مجھے اس سے محبت ہے لیکن میرا دل اس کے ساتھ پر مطمئن ہے روشی کا خاکہ بھی میرے آس پاس نہیں بھٹکتا۔''

''کہاں گم ہو گئے برخوردار! کب تک شہنائی بجوانے کا ارادہ ہے؟'' وہ ایکدم کسی خیال کے زیر اثر آیا تو وہ شوخی سے کہہ اٹھے۔

''ابھی کچھ ٹائم لگے گا مما خاصی اپ سیٹ ہیں ابھی۔'' وہ جھینپ کر گویا ہوا۔

''آصفہ کی فکر مت کرو جب دل سے خدمت کرنے والی بہو مل جائے گی تو کب تک ناراض رہ سکے گی۔''

زمزم کو اس واقعے سے ایسی چپ لگی تھی جو دادو کو مضطرب کر گئی تھی۔ دادو نے ہر طرح اس کی دلجوئی کی' کرم صاحب نے بیوی کے رویے پر معذرت کی' معاملہ رفع دفع ہو گیا بلکہ دادو اسے زیادہ اہمیت دینے لگیں۔ زین نے کئی مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی' وہ نہیں مانی اور مانتی بھی کیسے جس عزت کو جس بھرم کو جس انا کو اس نے بچا بچا کر رکھا تھا۔ وہ پل بھر میں جل کر راکھ ہو گئی تھی' وہ اپنی ماں کے چلن سے ہی بالآخر پکاری گئی تھی۔ آوارہ ماں کی آوارہ بیٹی.....!

آصفہ کے تھپڑوں نے چہرہ سرخ کیا تھا مگر لفظوں نے روح جھلسا دی تھی۔ وہ جو خودداری و انا کی انگلی پکڑے خراماں خراماں زندگی کو سمجھنے لگی تھی ایکدم ہی سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی۔

اس گھر سے! اس دنیا سے! اس زندگی سے..... مگر فرار کے تمام راستے میں دو رتھے دادو کڑی پہرے دار تھیں۔

''میں پوچھتی ہوں' کب تک یوں ہونٹ سیے رہو گی؟ تکلیف کے بعد ہی راحت آتی ہے' تکلیفیں تم نے اٹھائیں اب راحتیں سمیٹنے میں پیچھے ہو' سچ پوچھو تو میں نے کئی وظیفے اس لئے کئے کہ تم ہمیشہ اس گھر میں رہو میری بہو بن کر زین کی بیوی بن کر' آتے جاتے میں کسی نہ کسی طرح اس کے کان میں بھی تمہاری کوئی نہ کوئی اچھائی بیان کر دیا کرتی تھی' یہ اسی کا نتیجہ ہے جو زین نے تمہارا نام لیا اور دل سے لیا ورنہ.....''

''دادو! مت کریں ایسی باتیں' میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کس کی بیٹی ہوں آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھ جیسی لڑکیوں کے لئے عزت دار زندگی نہیں ہوتی ہے مت ترس کھائیں مجھ پر۔''

وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

''کوئی ترس کھا کر شادی نہیں کی جاتی بیٹی! کہا نہ جو ہوا بھول جاؤ اب تو بہو بیگم کو بھی عقل آ جائے گی' بہن بھانجی نے بائیکاٹ جو کر دیا ہے۔ گڑھا کھودا تھا تمہارے لئے اور گر خود گئیں۔''

''دادو! میں یہاں نہیں رہوں گی' ہاسٹل چلی جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے پھر جس طرح تمہیں نوکری سے زین نے نکلوایا تھا اسی طرح وہاں سے بھی نکلوا دے گا پھر کہاں جاؤ گی؟''

''جی..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ دادو؟'' اشکوں سے بھرے چہرے پر سخت ترین حیرانی پھیل گئی۔

''لو وہ آ گیا خود ہی معلوم کر لو' مجھے نماز کو دیر ہو رہی ہے۔''

اندر داخل ہوتے دیکھ کر زین کو دادو نماز کی چوکی کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ مبہوت وجود لئے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

''آپ نے..... آپ نے میری جاب ختم کروائی تھی؟'' یہ انکشاف اس کے لئے اتنا حیران کن تھا کہ وہ بلا کسی تمہید کے اس سے مخاطب ہوئی تھی جس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

''جی ہاں۔'' نہایت شرافت سے جواب ملا۔

''کیوں؟ آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

''میرے پاس آپ کے لئے اس جاب سے بھی زبردست جاب ہے۔''

''کون سی جاب؟'' وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔

''ہے ایک پرکشش جاب اگر آپ پرامس کریں کہ جوائن کریں گی تو بتا دیتا ہوں۔ بہت زیادہ آپ کو مراعات حاصل ہوں گی۔''

اس کی اٹھی نگاہیں جھکتی چلی گئیں چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ زین کی شرارت وہ سمجھ چکی تھی۔ وہ شادی کی آفر کر رہا تھا۔

''زین صاحب! مجھ میں مزید حوصلہ نہیں ہے اپنا تماشہ بنوانے کا بچپن سے تقدیر میرے ساتھ ایسے کھیل کھیلتی آئی ہے لیکن اب میں تھک گئی ہوں' کسی اور کہانی کا عنوان نہیں بن سکتی' مجھے معاف کر دیں۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

''میں جانتا ہوں' مما اور روشی کی باتوں سے آپ کی عزت نفس مجروح ہوئی اور وقار کو ٹھیس پہنچی۔ ان تمام باتوں کو بھول جاؤ تو بہتر ہے۔ میں آپ سے اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتا' مجھے اعتراف ہے ایک عرصہ میں نے بھی آزاد زندگی گزاری ہے بولڈ' ماڈرن لڑکیاں میری کمزوری رہی تھیں۔ اگر یہاں دادو اور آپ کی زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو میں آج نہ معلوم کن گمراہ کن راستوں کا راہی ہوتا اور اپنے اساس کی پہچان ہی مٹا چکا ہوتا۔''

وہ بہت شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''ضروری نہیں ہے ایک عورت کی بے راہ روی سے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں' بلکہ مرد کی بے راہ روی بھی نسلوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ روشی نے جھوٹ کہا تھا گر اس وقت مجھ پر انکشاف ہوا وہ جھوٹ نہیں کہہ رہی' تم بہت خاموشی سے میرے بہت قریب آ چکی تھیں۔ اتنی قریب کہ پرچھائیں کا گمان ہونے لگے۔''

وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا' لہجے میں سچائی تھی۔

''تم نے دادو سے کہا یہ سب میں ترس کھا کر کر رہا ہوں تو ایسا کوئی بے وقوف نہیں ہوگا جو اپنی زندگی کے فیصلے ترس جیسے لمحاتی جذبات سے باندھنے کی کوشش کروں گا تمہیں ہر وہ سکھ ہر وہ خوشی دوں' جو دے سکتا ہوں۔ مما بہت مائس ہیں وہ جلد مان جائیں گی۔ مجھے تمہارا اقرار چاہئے کبھی ایسا ہوتا ہے ہم محبت پہلے کر لیتے ہیں' شادی بعد میں' یہاں ذرا شادی پہلے ہوگی' محبت بعد میں' وہ بھی پوری ایمانداری کے ساتھ۔'' اس کی خاموشی رضامندی تھی وہ کرتی بھی کیا۔

''لڑکا اتنی بک بک کر کے چلا گیا مگر تمہارے منہ کا قفل نہ ٹوٹا اب ایسا بھی کیا طنطنہ کہ کسی کو معاف ہی نہ کیا جائے' ایسے بھاگ تو کسی کسی کے جاگتے ہیں بچی! اب بھی وقت ہے عقل کے ناخن لے لے مرد اور گھوڑے میں ایک قدر مشترک ہے اگر کسی طور بدک جائیں تو قابو نہیں آتے اور یہ زین تو ہے ہی سر پھرا۔''

دادو نماز سے فارغ ہو کر اس کے قریب چلی آئی تھیں۔

''دادو! جیسے آپ کی مرضی۔''

دادو نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''سب سے پہلے بہو کو منانا ہے' حقیقت سے وہ بھی واقف ہے مگر اپنی ناک کو کسی طرح جھکنے نہیں دے گی' جب میں ہی آگے بڑھوں گی تو وہ کب تک دور رہے گی۔''

دادو اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے آصفہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

Aanchal.com